ہمارے بزرگ

(حصہ اوّل)

مائل خیرآبادیؒ

ترتیب

اُن کے نام
جو
اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے بزرگ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

(تم میں اللہ کے نزدیک بزرگ و برتر وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے)

عام طور پر بڑا اور بزرگ اسے مانا جاتا ہے جو مالدار ہو، بڑے اور اونچے خاندان کا ہو، علم والا ہو یا جس کے پاس حکومت ہو لیکن اسلام میں بڑا اور بزرگ وہ ہے، جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے، جو آخرت کے دن کے حساب سے ہر وقت کانپتا رہتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کا ڈر اور آخرت کا خوف ہی وہ بہترین عقیدہ ہے، جو انسان کو انسان بنا سکتا ہے۔ یہی وہ خوف ہے، جس کی بہ دولت انسان برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ انسان جتنا برائیوں سے دور رہے گا اتنا ہی انسانیت سے قریب ہوتا رہے گا اور اچھے سے اچھا انسان بن سکتا ہے۔

ہم ایسے ہی انسانوں کو اچھا انسان، شریف اور بزرگ و برتر مانتے ہیں، جو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے ڈر سے برائیوں سے بچتے ہیں۔ ایسے ہی بزرگوں کا طریقہ اور ان کا اسوہ ہمارے لیے انسانیت کا بہترین نمونہ ہے اور انھی کی پیروی کرنا اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کے سارے انسانوں میں ایسے بزرگوں کی تلاش میں رہتے ہیں، ان کے حالات محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہمارے بعد آنے والے ان بزرگوں کا حال پڑھیں اور نصیحت حاصل کریں۔

ایسے بزرگوں میں اول نمبر پر تو وہ مبارک لوگ ہیں، جنھوں نے اللہ کے آخری رسول

حضرت محمد ﷺ سے تربیت حاصل کی اور جنھیں ہم صحابہ کرامؓ کہتے ہیں۔ ان کے بعد وہ بزرگ ہیں، جن کو صحابہ کرامؓ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور ان کے بعد ان کے شاگرد اور پھر وہ تمام بزرگ جو درجہ بہ درجہ انھی بزرگوں سے فیض پاتے رہے۔

ہماری کوشش ہے کہ ایسے بزرگوں کے حالات آسان زبان میں اللہ کے بندوں کے سامنے لائیں تا کہ وہ لوگ بھی فائدہ اٹھاسکیں، جو کم پڑھے لکھے ہیں اور خاص طور پر ہماری وہ نئی نسل جو اب پروان چڑھ رہی ہے۔

اس سلسلے میں ہماری یہ پہلی کوشش ہے کہ ہم کچھ بزرگوں کا حال اس کتاب میں دے رہے ہیں۔ اس کے بعد جیسے جیسے اللہ توفیق بخشے گا دوسرے بزرگوں کے حالات شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہماری اس پہلی کوشش کی خاص بات یہ ہے کہ ہم نے ایسے بزرگوں کا انتخاب کیا ہے، جن کی زندگیوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں، جنھیں ہم کہانی کے طور پر بیان کرسکیں۔ الحمدللہ! کہ ہم نے یہ واقعات نہایت آسان زبان میں مرتب کردیے اور اب یہ آپ کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ، جو ان واقعات کو پڑھے اس کا دل نیکیوں کی طرف مائل ہو۔ آمین!

رام پور۔ یوپی		مائل خیرآبادی

مئی ۱۹۶۹ء

(۳)

حضرت سعید بن مسیّب (رحمۃ اللہ علیہ)

ہمارے بزرگوں میں حضرت سعید بن مسیّبؒ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں، وہ مدینے کے رہنے والے تھے اور اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ عالم ہی نہیں بلکہ عالم باعمل یعنی انھوں نے قرآن اور حدیث سے جو علم حاصل کیا تھا اس پر چلتے بھی تھے۔ ہر وقت خیال رکھتے تھے کہ کوئی بات قرآن اور حدیث کے خلاف نہ ہو جائے۔ وہ اس زمانے میں پیدا ہوئے جب پیارے نبی ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ (پیارے ساتھی) موجود تھے۔ انھی بزرگوں سے حضرت سعید بن مسیّبؒ نے قرآن اور حدیث کا علم سیکھا تھا۔ وہ پیارے رسول ﷺ کے پیارے صحابہؓ کے بہت مشہور شاگرد تھے۔ انھوں نے پیارے صحابہؓ سے دین کی جو بات سیکھی، اسے یاد کرلیا اور اس پر عمل کرنے لگے۔ اس طرح وہ ایک بڑے اچھے اور سچے مسلمان بن گئے۔ ان کا علم جتنا بڑھا ہوا تھا اسی اعتبار سے ان کا عمل بھی تھا۔ علم و عمل نے ان کا مرتبہ اتنا بلند کردیا تھا کہ صحابہ بھی ان سے محبت کرتے تھے چناں چہ پیارے رسولؐ کے پیارے صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے اتنا خوش ہوئے کہ اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی۔ کتابوں میں حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی خوبیاں لکھی ہیں۔ اگر ہم ان سب کو لکھیں تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ ہاں اس وقت ہم ان کی ایک بات لکھتے ہیں۔ ذرا اسے پڑھیے اور سوچیے ان کی زندگی میں ہمارے لیے کیسی کیسی نصیحتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن مسیبؒ کو ایک بڑی اچھی بیٹی عطا فرمائی تھی۔ یہ لڑکی بڑی سمجھ دار تھی۔ حضرت سعیدؒ نے اسے پڑھانا شروع کیا تو اس نے تھوڑے ہی دنوں میں قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرلیا۔ قرآن اور حدیث میں جو کچھ پڑھا، اس پر پوری کوشش سے عمل بھی کرنے لگی۔ وہ چاروں طرف علم والی اور علم پر عمل کرنے والی مشہور ہوگئی۔ ساتھ ہی وہ نہایت خوب صورت بھی تھی اور ہاں یہ بھی ہم بتادیں کہ وہ ایک خاندانی لڑکی تھی۔ خاندانی لڑکی آپ سمجھے؟ دیکھیے، حضرت سعید بن مسیبؒ قریش خاندان سے تھے۔ قریش خاندان عرب میں بڑی عزت والا خاندان مانا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک عزت والے خاندان سے تھی۔ اس طرح اس میں چار بڑی بڑی خوبیاں تھیں (۱) وہ اونچے خاندان سے تھی (۲) وہ نہایت خوب صورت تھی (۳) وہ بڑی عالمہ یعنی علم والی تھی (۴) وہ دین کی باتوں پر چلنے والی یعنی دین دار لڑکی تھی۔

اب سنیے اس لڑکی کی اچھائیوں کی شہرت ہوئی تو اس کی تعریف خلیفہ عبد الملک نے سنی۔ خلیفہ عبد الملک اس وقت کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اس نے اس لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہا، اپنے بیٹے کی شادی اس سے کرنا چاہی۔ ایک بزرگ کو حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس بھیجا۔ لیکن سعید بن مسیبؒ نے اپنی لڑکی کی شادی شہزادے کے ساتھ کرنے سے انکار کردیا۔ جی ہاں شہزادے کے ساتھ بیٹی کی شادی کرنے سے انکار کردیا۔ یہ بات جس نے سنی دنگ رہ گیا۔ ذرا سوچیے، بادشاہ کے یہاں کیسے آرام سے رہتی یہ لڑکی، وہاں ہر طرح کا آرام اور سکھ ملتا۔ ہر وقت لونڈیاں، باندیاں ہاتھ باندھے سامنے کھڑی رہتیں۔ لڑکی ہر وقت دھن دولت سے کھیلتی، جیسا کھانا چاہتی، کھاتی، جیسا لباس اور زیور چاہتی، پہنتی، جو جی چاہتا کرتی۔ بادشاہوں اور شہزادوں کی زندگیوں میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر ایک بات کے نہ ہونے سے سعید بن مسیبؒ نے پسند نہیں کیا۔ وہ بات یہ تھی کہ وہ عبد الملک کو سچا خلیفہ ہی نہیں مانتے تھے، بلکہ ایک ظالم بادشاہ سمجھتے تھے۔ ایسا ظالم بادشاہ، جس کے بڑے بڑے سردار بھی ظالم ہوں۔ اس کے سرداروں میں سب سے بڑا سردار حجاج بن یوسف تھا۔ یہ بڑا ہی ظالم شخص تھا اور اس ظلم کو عبد الملک بہت پسند کرتا تھا۔ بس اسی لیے سعید بن مسیبؒ نے اپنی لڑکی اس کے لڑکے کو نہیں دی۔ عبد الملک نے بہت دباؤ ڈالا۔ ستایا بھی لیکن حضرت سعید بن مسیبؒ کے سامنے پیارے رسول ﷺ کی وہ حدیث تھی کہ لوگ خاندان کو،

دھن دولت کو، علم اور خوب صورتی کو دیکھ کر شادی کرتے ہیں لیکن شادی دین دار سے کرنا چاہیے۔ظاہر بات ہے کہ ظالم وہی ہوگا جو دین دار نہ ہوگا پھر بھلا سعید بن مسیبؒ عبدالملک سے رشتہ کیسے کر لیتے؟ وہ اس دنیا کے سکھ کو مٹ جانے والا سکھ سمجھتے تھے اور ٹھیک بھی یہی ہے۔ سکھ تو بس آخرت کا سکھ ہے۔

سچا مسلمان تو اس میں خوش رہتا ہے کہ وہ اچھے کام کر کے اور دین پر چل کر اللہ کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ ایسے ہی تھے اور ایسے ہی آدمی کو پسند کرتے تھے۔ان کی لڑکی بھی ایسی ہی تھی۔

شادی نہ کرنے پر جب عبدالملک نے بہت زیادہ ستانا شروع کیا تو سعید بن مسیبؒ نے سوچا کہ لڑکی کی شادی کہیں جلد ہی کر دینا چاہیے۔اب دیکھیے انھوں نے اپنی لڑکی کے لیے دولھا کیسا تلاش کیا۔ان کے شاگردوں میں ایک بڑا اچھا طالب علم تھا۔طالب علم کا نام تھا ''وداعہ''۔ایک بار ایسا ہوا کہ وداعہ کئی دن برابر غیر حاضر رہے۔ پھر جب حاضر ہوئے تو سعید بن مسیبؒ نے پوچھا ''اتنے دنوں کہاں غائب رہے؟''۔وداعہ نے بتایا کہ ''بیوی کا انتقال ہو گیا اسی لیے حاضر نہ ہو سکا۔''

''تم نے مجھ کو خبر کیوں نہیں کی؟'' حضرت سعید بن مسیب نے پوچھا۔ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''میں بھی جنازے کی نماز میں شریک ہوتا۔'' وداعہ یہ سن کر چپ ہو گئے۔ پھر جب اُٹھ کر چلنے لگے تو حضرت سعید بن مسیبؒ نے پوچھا ''تم نے دوسری شادی کرنے کے لیے کہیں کچھ سوچا یا نہیں؟''

''حضرت! میں غریب آدمی......'' وداعہ نے کہنا شروع کیا۔ ''مجھے اپنی لڑکی کون دے گا؟'' وداعہ سے یہ سنا تو فرمایا۔ ''میں دوں گا۔'' اس کے بعد اسی وقت وہیں پر اپنی اس بیٹی کی شادی وداعہ کے ساتھ کر دی، جسے عبدالملک نے اپنے لڑکے کے لیے مانگا تھا۔انھوں نے وداعہ سے نہ یہ پوچھا کہ تم کس خاندان سے ہو، نہ یہ دیکھا کہ وداعہ کے پاس کتنی دولت ہے اور نہ اس کی پروا کی کہ وداعہ شکل وصورت کے کیسے ہیں۔ ہاں یہ ضرور جانتے تھے کہ وداعہ بڑے دین دار طالب علم ہیں۔

نکاح ہو جانے کے بعد وداعہ گھر گئے۔ انھوں نے کسی کو نہیں بتایا کہ شادی کر کے

آرہا ہوں۔ شاید ان کا خیال یہ ہو کہ جب تک بیوی گھر میں نہ آجائے اس وقت تک نہیں بتانا چاہیے۔ اور بھئی دیکھو تو، وداعہ جو کپڑے پہن کر مدرسے گئے تھے، انھی کپڑوں میں شادی ہوئی تھی۔ پھر لڑکی کے لیے کوئی جوڑا وغیرہ بھی نہیں تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اگر بتاتے تو لوگ یقین نہ کرتے اور الٹے مذاق بناتے۔

اچھا بھائی! آگے سنیے۔ مغرب کا وقت ہوا حضرت سعید بن میسّبؒ نے مغرب کے بعد بیٹی کو ساتھ لیا اور داماد کے گھر کی طرف چلے۔ وہاں وداعہ کا یہ حال کہ وہ اس دن روزے سے تھے۔ مغرب کے بعد کھانا کھانے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا "کون صاحب؟" جواب ملا "سعید۔" وداعہ نے سنا تو، لیکن سمجھے ہی نہیں کہ حضرت سعید بن میسّبؒ ہوں گے۔ بات یہ تھی کہ حضرت سعید بن میسّبؒ مسجد جانے کے علاوہ گھر سے نکلتے ہی نہ تھے، تو بھلا وداعہ کا دھیان ان کی طرف کیسے جاتا؟ وہ سمجھے سعید نام کے کوئی اور صاحب ہوں گے۔ جا کر دروازہ کھولا تو انھیں دیکھا۔ السلام علیکم کے بعد عرض کیا کہ "آپ نے آنے کی تکلیف کیوں کی۔ مجھے بلوا لیا ہوتا۔"

اچھا خیر فرمائیے، کیا حکم ہے؟" کہنے لگے "کہ بھئی، جب تمھاری بیوی موجود ہے تو اسے تمھارے گھر میں ہونا چاہیے۔ میں اسے لے کر آیا ہوں۔ لو، یہ ہے تمھاری بیوی!"

نئی نویلی دلہن وہی روز کے کپڑے پہنے باپ کے پیچھے کھڑی تھی۔ نہ نیا جوڑا، نہ گہنا اور نہ پالکی۔ باپ کے ساتھ پیدل ہی شوہر کے گھر آئی تھی۔ حضرت سعید بن میسّبؒ نے لڑکی کو وداعہ کے گھر میں کر دیا اور وہیں سے "السلام علیکم" کہہ کر واپس ہو گئے۔

اب تو وداعہ کی خوشی نہ پوچھیے۔ اب انھیں لوگوں کو بتانا ہی پڑا۔ اس وقت وداعہ کی والدہ صاحبہ کسی دوسرے گھر میں تھیں۔ انھوں نے سنا دوڑی ہوئی آئیں۔ بہو کو دیکھا بہت خوش ہوئیں۔ وداعہ کہتے ہیں کہ سچ مچ حضرت سعید بن میسّبؒ کی یہ بیٹی قرآن کی حافظ تھی، حدیث کی عالم تھی اور یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے اچھی بیوی کی کیا خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔

دیکھا آپ نے یہ تھے حضرت سعید بن میسّبؒ۔ اس کے بعد یہ سوچیے کہ کیا آج کل بھی مسلمان اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کے موقعے پر اسی طرح سوچتے ہیں؟۔ سچی بات تو یہ ہے کہ

آج کل کے مسلمان اپنے دین اور اپنے بزرگوں کے راستے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ آج کل لوگ اس طرح سوچتے ہیں کہ شادی ہو تو بڑے گھرانے میں، چاہے وہاں دین داری ہو یا نہ ہو، شادی ہو تو مال دار گھرانے میں چاہے وہ حرام کمائی کر کے کمایا گیا ہو، شادی ہو تو کسی خوب صورت کے ساتھ، چاہے وہ پکا شیطان ہو۔ پھر شادی بھی اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں خوب پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ نام کرنے کو طرح طرح کی رسمیں کی جاتی ہیں۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ان شادی کرنے والوں کو روتے ہوئے پایا جاتا ہے کہ ہائے شادی میں سب کچھ لٹا دیا، اب اتنے کہ قرض دار ہیں۔ تو بھائی! جو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں پر عمل نہیں کرتا، دین دار نہیں بنتا، اس کا یہی حال تو ہوتا ہی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے اچھی شادی وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو۔ اس حدیث کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے کیسی اچھی طرح اپنی بیٹی کی شادی کی۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان لوگوں پر بھی جو ان کی پیروی کریں۔

(۲)

حضرت ابراہیم بن یزید تیمی (رحمۃ اللہ علیہ)

دو عالم تھے۔ دونوں کا نام ایک ہی تھا یعنی ابراہیم۔ دونوں کے والد صاحبان کا نام بھی ایک ہی تھا یعنی یزید۔ دونوں بزرگ ایک ہی زمانے میں تھے یعنی پیارے نبی ﷺ کے پیارے صحابہؓ کے شاگردوں کے زمانے میں۔ دونوں نے پیارے صحابہ سے دین کا علم سیکھا تھا۔ دونوں عالموں نے جو کچھ سیکھا تھا، اس پر عمل بھی کرتے تھے یعنی وہی کام کرتے تھے، جن کے کرنے کا قرآن اور حدیث میں حکم ہے۔ دونوں بزرگوں میں بہت سی باتیں ملتی جلتی تھیں بس فرق اتنا تھا کہ دونوں الگ الگ خاندان سے تھے۔ ایک عالم صاحب ابراہیم بن یزید تیمی کہلاتے تھے اور دوسرے ابراہیم بن یزید نخعی کہلاتے تھے۔

یہ دونوں عالم ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ ہمارے ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں ایک بڑا زبردست حاکم ہوا ہے اس کا نام حجاج تھا، حجاج بڑا ظالم تھا۔ اس نے پیارے رسول ﷺ کے کئی پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) کو جان سے مروایا تھا۔ اس ظالم نے اور بہت سے اچھے اچھے اور دین دار عالموں کو بھی قتل کرا دیا تھا۔ اسی لیے وہ بزرگ جو صحابہؓ اور دین دار لوگوں سے محبت کرتے تھے، اسے ظالم کہتے تھے۔ حجاج کو ظالم کہنے والوں میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام تھا ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ۔ حجاج حضرت ابراہیم بن یزید نخعی کی جان کا دشمن ہوگیا۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ ابراہیم بن یزید نخعیؒ کو پکڑ لاؤ۔

یہ بات اسی زمانے کے ایک مشہور عالم حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوئی، انھوں نے سوچا کہ حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی جان بچانا چاہیے۔ ابراہیم بن یزید تیمیؒ یہ سوچ کر چلے۔ اس طرف سے گزرے جہاں حجاج کے سپاہی ابراہیم بن یزید نخعیؒ کو تلاش کر رہے تھے۔ عالم صاحبان جس طرف نکلتے ہیں تو لوگ ان کی چال ڈھال سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ عالم ہیں۔ ان کے کاموں کو دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ عالم ہیں۔ ان کی بولی ان کی باتیں، ان کا لباس، ان کا اٹھنا بیٹھنا، مطلب یہ کہ ان کی ہر چیز خود ہی بتا دیتی ہے کہ یہ عالم ہیں۔ تو پھر ہوا یہ کہ حجاج کے سپاہیوں نے ابراہیم بن یزید تیمیؒ کو دیکھا، روکا اور نام پوچھا۔ بتایا "ابراہیم۔" پوچھا "باپ کا نام؟" بتایا "یزید۔"

"اچھا، تم ہی ابراہیم بن یزید ہو؟" یہ کہہ کر سپاہیوں نے ابراہیم بن یزید نخعیؒ کے بدلے ابراہیم بن یزید تیمی کو پکڑ لیا، حجاج کے سامنے لے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ جیل خانے میں بند کر دو اور ان کو خوب ستاؤ۔

حجاج کے حکم سے ابراہیم بن یزید تیمیؒ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان کو بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ پانی میں غوطے دیے گئے۔ ان کے پیروں میں بھاری زنجیریں ڈال دی گئیں۔ حضرت ابراہیم بن یزید تیمیؒ یہ دکھ سہتے رہے لیکن بھید نہ کھولا یعنی یہ نہ بتایا کہ اے سپاہیو! تم جن ابراہیم بن یزید نخعی کی تلاش میں ہو، وہ میں نہیں ہوں۔ جب نہیں بتایا تو جیل ہی میں پڑے رہے، جیل کی کڑی سزائیں سہتے رہے۔ سزائیں سہتے سہتے وہیں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اسی رات میں حجاج نے خواب میں دیکھا کہ ایک جنّتی مر گیا۔ صبح کو اس نے سنا کہ ابراہیم بن یزید چل بسے۔

اس ظالم نے حضرت ابراہیم بن یزید تیمیؒ کی لاش ایک گھوڑے پر پھنکوادی۔اس کے بعد وہ اسی دھوکے میں رہا کہ اس نے ابراہیم بن یزید نخعیؒ کو مروایا ہے۔

سبحان اللہ! کتنا بڑا کام کر گئے حضرت ابراہیم بن یزید تیمیؒ۔ایک بزرگ کی جان بچانے کے لیے اپنی جان دے دی۔اللہ کی رحمت ہو ان پر۔اللہ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی ویسے ہی کام کر جائیں جیسے ہمارے بزرگوں نے کیے۔زیادہ سے زیادہ دوسروں کے کام آئیں اور دوسروں کو مصیبت سے بچانے کے لیے اپنی جان کی پروانہ کریں۔اسی کو کہتے ہیں ایثار اور قربانی، ایثار اور قربانی کا ثواب اللہ کے یہاں بہت ہے۔

(۳)

حافظ ہشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ

ایک شہر ہے ''بخارا''۔'' تیرہ سو (۱۳۰۰) برس ہوئے بخارا میں ایک باورچی رہتا تھا ''بشیر''——بشیر باورچی، کھانے پکانے میں بڑا استاد تھا۔وہ ایسے ایسے کھانے تیار کرتا تھا کہ کھانے والے مزہ لے لے کر کھاتے۔مچھلی تو وہ نئے نئے طریقوں سے پکاتا تھا۔یہی بات تھی کہ اس وقت کے بڑے بڑے نواب اور حاکم اسے اپنے یہاں رکھنا پسند کرتے اور اسے بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔

جو آدمی کسی کام میں ترقی کرتا ہے یعنی جس کام میں اس کو خوب کمائی ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا بھی وہی کام کرے اور روپیہ پیسہ کما کر آرام سے زندگی بسر کرے۔بشیر باورچی بھی یہی چاہتا تھا۔اسے اللہ نے ایک بڑا سمجھ دار بیٹا دیا تھا۔بیٹے کا نام ہشیم تھا۔مزے کی بات سنیے۔بشیر باورچی نے ہشیم میاں کو کھانا پکانے کے کاموں میں لگانا چاہا لیکن ہشیم میاں کا دل اس کام میں نہ لگا۔ہشیم میاں کو علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا، ایسا علم نہیں کہ پڑھ لکھ کر نوکری کرتے پھریں جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں۔ہشیم ابن بشیر صاحب تو قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرنا

چاہتے تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ہمارے لیے اللہ کے کیا حکم ہیں؟ پیارے رسول ﷺ نے اللہ کے حکموں کے بارے میں کیا بتایا، سمجھایا اور انھیں کس طرح کر کے دکھایا؟

ہشیم میاں اپنے والد کے بڑے فرماں بردار تھے۔ باپ کا کہا نہیں ٹالتے تھے۔ اب وہ کرتے یہ کہ کھانا پکانا سیکھتے اور جب وقت ملتا، قرآن اور حدیث کے جاننے والوں (عالموں) کے پاس پہنچ جاتے، ان سے قرآن پڑھتے، حدیث سنتے، جو پڑھتے اور سنتے، اسے یاد رکھتے۔ اللہ نے ان کو بڑی اچھی سمجھ دی تھی، انھیں سبق بڑی جلدی یاد ہو جاتا تھا۔ ہشیم میاں پر یہ اللہ کی بڑی مہربانی تھی کہ ایک بار وہ جو یاد کر لیتے پھر کبھی نہ بھولتے۔

ہشیم میاں کے بچپن میں بہت سے ایسے نیک اور اچھے عالم تھے، جنھوں نے پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں یعنی صحابہؓ سے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ ان میں ایک عالم ''قاضی ابوشیبہؒ'' تھے۔ قاضی صاحب نے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا۔ ہشیم میاں اس مدرسے میں جانے لگے تو کھانا پکانے کے کام میں حرج ہونے لگا۔ باپ نے روکا اور خفا بھی ہوا کہ ایسا کام نہیں کرتا کہ چار پیسے ملیں، لیکن ہشیم میاں کی دھن تھی علم کی۔ وہ مدرسے جاتے رہے، قاضی صاحب سے قرآن اور حدیث کی باتیں سیکھتے رہے۔

اسی زمانے میں ہشیم میاں ایک بار بیمار ہو گئے۔ بیماری میں مدرسے نہ پہنچے۔ قاضی صاحب نے لوگوں سے پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ سنا تو قاضی صاحب ہشیم میاں کو دیکھنے کے لیے چلے۔ قاضی صاحب جانے لگے تو دوسرے استاد بھی ساتھ ہو گئے۔ یہ سارے استاد ہشیم میاں سے بہت خوش تھے اور سب جانتے تھے کہ ہشیم میاں بہت ہی لائق اور محنتی طالب علم ہیں۔ استادوں کو ان سے محبت ہو گئی تھی۔

یہ سارے کے سارے بزرگ بشیر باورچی کے گھر پہنچے تو بشیر دنگ رہ گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں کہ علم سے آدمی کتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ قاضی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا کسی کے دروازے پر پہنچ جانا بہت بڑی بات تھی۔ آس پاس کے لوگ آ آ کر جمع ہو گئے اور کہنے لگے ''کیسا خوش قسمت ہے بشیر، جس کے یہاں ایسے بزرگ آئے۔'' بشیر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ قاضی صاحب نے اس کے گھر پہنچ کر ہشیم میاں کو دیکھا، حال پوچھا، دعا کی اور چلے آئے۔

قاضی صاحب کے جانے کے بعد بشیر نے بیٹے سے کہا ''میں تم کو علم حاصل کرنے سے

روکا کرتا تھا مگر اب منع نہ کروں گا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایک دن تمھارا رتبہ اتنا بڑھے گا کہ قاضی صاحب کے قدم میرے یہاں آئیں گے۔ قاضی صاحب کے قدم بڑے بڑے حاکموں کے یہاں پہنچ جاتے ہیں تو وہ بھی اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔

باپ نے اس طرح کہا تو ہشیم میاں اچھے ہونے پر زیادہ وقت مدرسے میں دینے لگے۔ بڑی محنت اور دھیان سے پڑھنے لگے، اپنا علم بڑھانے کے لیے گھر چھوڑ کر دور دور جانے لگے۔ جس بزرگ کے بارے میں سنا کہ وہ پیارے رسول ﷺ کی کوئی حدیث جانتے ہیں، بس وہیں پہنچے۔ جا کر پوچھا "جناب آپ نے اس حدیث کے بارے میں پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) سے اور کس طرح سنا ہے؟ پھر وہ بزرگ جس طرح حدیث سناتے، اسے اسی طرح یاد کر لیتے اور اس پر اسی طرح عمل کرنا بھی شروع کر دیتے۔

جی ہاں! عمل کرنا شروع کر دیتے۔ اسی لیے تو وہ قرآن اور حدیث کی باتوں کی کھوج میں رہتے تھے۔ وہ اسی لیے مکہ گئے، مدینہ گئے، بصرہ گئے، کوفہ گئے، بغداد گئے اور نہ جانے کہاں کہاں گئے۔ بڑے بڑے عالموں اور اماموں سے ملے۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملے۔ ان سے حدیث کا علم حاصل کیا، پھر تو وہ اتنے بڑے عالم ہو گئے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑا دوسرا عالم نہ تھا۔ لوگ انھیں حافظ امام ہشیم کہنے لگے اور اب ان سے علم حاصل کرنے لگے۔ حافظ امام ہشیم رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں درس دینا شروع کر دیا۔ حافظ صاحب کے کچھ شاگردوں کے نام سنیے:

- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو آگے چل کر بہت بڑے امام ہوئے۔
- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ بھی بہت بڑے امام ہوئے۔
- امام حمّاد رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ اتنے بڑے عالم تھے کہ امام ابوحنیفہؒ ان کے شاگرد تھے۔

دیکھا آپ نے! علم انسان کے رتبے کو کتنا بڑھاتا ہے۔ حافظ ہشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ ایک باورچی کے بیٹے تھے لیکن آج ہم حافظ صاحب کو اپنا بزرگ مانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم بزرگ اور بڑا اسے مانتے ہیں جو قرآن اور حدیث کا علم رکھتا ہو اور اس پر عمل بھی کرتا ہو۔ ہمارے نزدیک بڑا وہ نہیں جس کے پاس مال ہے یا جو بڑے خاندان سے ہے یا جو بڑا بادشاہ ہے، ہمارے

بزرگ تو وہ ہیں، جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں اللہ کے نزدیک بزرگ اور بڑا وہ ہے، جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ حافظ ہشیمؒ ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے، ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

(۴)

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ان بزرگوں میں سے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مرتبہ دیا۔ ان کی ایک بزرگی تو یہی ہے کہ انھوں نے بچپن میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ پھر یہ ان کی خوش قسمتی کہ وہ تمام امہات المومنینؓ (مسلمانوں کی مائیں) کے گھر جایا کرتے تھے اور سب سے اچھی باتیں اور قرآن اور حدیث کا علم سیکھا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) سے بھی علم حاصل کیا۔ محنتی بھی تھے اور اللہ نے عقل بھی اچھی دی تھی۔ تو وہ تھوڑے دنوں میں بہت بڑے عالم ہوگئے۔ عالم ہی نہیں، آپ نے جو کچھ قرآن اور حدیث سے سیکھا، اس پر عمل بھی کیا اور دوسروں تک بھی خوب پہنچایا۔

خواجہ صاحبؒ کو آخرت کی پوچھ گچھ اور خدا کی خفگی کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ وہ ہر وقت ڈرا کرتے تھے کہ کوئی ایسا کام نہ ہوجائے، کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے کہ خدا ناراض ہوجائے اور پھر قیامت کے دن بُرے لوگوں میں کھڑا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ وہی کام کرتے جو اللہ کو پسند ہیں اور دھن دولت اور ٹھاٹ باٹ کی طرف ان کا دھیان بھی نہ جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مال پا کر لوگ زیادہ تر خدا کو بھول جاتے ہیں۔

خواجہ صاحبؒ کے زمانے میں ایک بڑا ظالم حاکم ہوا ہے۔ ظلم کرنے کی وجہ سے وہ بڑا بدنام ہے۔ اس کا نام تھا، حجاج بن یوسف۔ ایک بار اس نے ایک محل بنوایا۔ محل بڑا خوب صورت

اور مضبوط تھا۔ اس میں ہر طرح کا ٹھاٹ باٹ کا سامان سجایا اس کے بعد لوگوں کو دیکھنے کے لیے بلایا۔ لوگ آتے، دیکھتے اور تعریف کرتے۔

حجاج بن یوسف نے دیکھا کہ سب لوگ تو آئے مگر خواجہ حسن بصریؒ محل دیکھنے نہیں آئے تو بلا بھیجا۔ آپ نہ جاتے مگر لوگوں کے کہنے سننے سے گئے۔ محل دیکھا، محل کی سجاوٹ دیکھی، محل کی خوب صورتی دیکھی آپ یہ دیکھ کر واپس ہوئے تو حجاج نے پوچھا ''خواجہ صاحب! محل میں کوئی عیب تو نہیں؟ اگر ہو تو بتائیے اسے دور کر دیا جائے۔'' آپ نے جواب دیا ''ہے ایک عیب ہے، بہت بڑا عیب!''۔ پوچھا ''کیا عیب ہے؟''۔ فرمایا ایک نہ ایک دن یہ محل اور اس کا سامان سب پرانا ہو جائے گا اور پھر فنا ہو جائے گا (مٹ جائے گا) تو یہ عیب دور نہیں کر سکتا۔ سمجھ دار وہ ہے جو ایسے محل بنانے کی کوشش کرے جو نہ کبھی پرانے ہوں اور نہ کبھی مٹ سکیں (جنت کے محل جو اللہ اپنے نیک بندوں کو دے گا)۔

خواجہ صاحبؒ سے یہ سنا تو حجاج دل میں بہت جھنجھلایا لیکن خواجہ صاحب سے کچھ نہ کہا۔ صرف اتنا کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ بوڑھے ہو گئے ہیں۔

کیسی کھری کھری سنانے والے تھے حاکموں کو ہمارے بزرگ۔ اگر ہم اپنے بزرگوں کے نام لیوا ہیں تو ہمیں بھی کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم خدا سے ڈریں۔ دل میں خدا کا ڈر ہونے سے پھر کسی کا ڈر نہیں ہوتا اور نہ انسان کسی لالچ میں پھنستا ہے۔

(۵)

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگوں میں ایک بہت ہی مشہور قاضی ہوئے ہیں۔ قاضی اسے کہتے ہیں جو عدالت میں بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں۔ آج کل اسے جج کہتے ہیں۔ قاضی اور جج کا کام یہ ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے، نہ کسی سے دبے اور نہ لالچ میں آئے۔ اسے ڈر ہو تو بس اللہ کا۔ یہ ڈر کہ اگر

جان بوجھ کر فیصلہ غلط کر دیا یا کسی ڈر اور لالچ میں پڑ کر فیصلہ کچھ سے کچھ کر دیا تو پھر قیامت کے دن اللہ بڑی کڑی سزا دے گا۔

آخرت سے ڈرنے والے قاضی اور جج سب سے اچھا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں ایسے بہت سے قاضی ہوئے، وہ بادشاہوں سے نہ ڈرے اور ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ کسی طرح کے لالچ میں پڑ کر انھوں نے جھوٹا فیصلہ نہیں کیا۔ ایسے ہی قاضیوں میں سے آج ہم ایک قاضی صاحب کے صرف دو تین فیصلے سناتے ہیں۔ ان قاضی صاحب کا نام تھا، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا خریدا۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے خلیفہ ہوئے ہیں۔ گھوڑا خریدنے کے بعد ایک شخص کو دیا کہ سوار ہو کر دیکھے، گھوڑا ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ وہ شخص گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے کہا ''اب تو میں واپس نہیں لیتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدالت میں دعویٰ کر دیا۔ اس وقت عدالت کے قاضی حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

قاضی صاحب نے فیصلہ سنایا کہ گھوڑا خریدنے کے بعد داغی ہوا اس لیے واپس نہیں ہو سکتا۔

دیکھا آپ نے یہ فیصلہ مسلمانوں کے خلیفہ کے خلاف سنا دیا۔ وہ امیر المومنین سے ذرا بھی نہ دبے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بڑے اچھے خلیفہ تھے۔ فیصلہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور اسی وقت ان کو کوفہ کا سب سے بڑا قاضی بنا دیا۔

● قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لڑکا تھا۔ اس نے کسی سے کچھ سودا کیا پھر نہ جانے کیا ہوا کہ آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ زیادتی لڑکے کی تھی۔ اس نے سوچا کہ دعویٰ کر دینا چاہیے۔ میرا باپ تو قاضی ہے ہی۔ دعویٰ کرنے سے پہلے قاضی صاحب سے رائے لی۔ یہ بھی کہا کہ اگر میں جیت جاؤں تو دعویٰ کر دوں۔

قاضی صاحب نے تھوڑی دیر سوچا پھر کہا کہ دعویٰ کردو۔ لڑکے نے دعویٰ دائر کردیا لیکن قاضی صاحب نے فیصلہ بیٹے کے خلاف کردیا۔ اب تو بیٹا بہت بگڑا۔ اس نے کہا کہ پہلے ہی بتادیتے تو میں دعویٰ کیوں کرتا۔ قاضی صاحب نے جواب دیا: ''بیٹا! اگر میں تجھے پہلے بتادیتا تو تو اپنے ساجھی سے اونے پونے طے کرلیتا۔ اس طرح تو ظالم ٹھہرتا۔'' اس کے بعد کہا بیٹے! تو مجھے دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ پیارا ہے لیکن خدا تجھ سے بھی زیادہ پیارا ہے۔''

● امیر المومنین اور بیٹے کے بارے میں جو فیصلہ کیا اسے آپ نے پڑھ لیا۔ اب ایک اور فیصلہ سنیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کہیں گر پڑی۔ ایک یہودی نے زرہ اٹھالی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس زرہ دیکھی تو کہا ''یہ زرہ تو میری ہے، مجھے دو۔'' مگر اس یہودی نے نہ دی اور کہا ''یہ تو میری ہے۔'' توبہ توبہ جھوٹ بول دیا۔ اسے خدا کا خوف تو تھا نہیں، اسی لیے تو جھوٹ کہنے سے نہ ڈرا۔ حضرت علیؓ نے دعویٰ دائر کردیا۔ اس وقت بھی شریحؒ ہی قاضی تھے۔

قاضی صاحب نے یہودی سے پوچھا کہ تم کس بنا پر کہتے ہو کہ یہ زرہ تمھاری ہے۔ اس نے جواب دیا کہ دیکھتے ہو میرے پاس ہے اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اب قاضی صاحب نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کا کوئی گواہ ہے؟ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ اور غلام قنبر کو گواہی میں پیش کیا۔ قاضی صاحب نے بیٹے کی گواہی کو نہ مانا اور کہا کہ دوسرا گواہ لاؤ۔ حضرت علیؓ کسی اور کو گواہ نہ لاسکے اس لیے زرہ یہودی اپنے پاس رکھے۔

لیجیے، حضرت علیؓ بھی مقدمہ ہار گئے لیکن حضرت علیؓ قاضی صاحب کی سمجھ داری پر بہت خوش ہوئے اور تو سنیے حضرت علیؓ کی تو خوش ہونا ہی چاہیے کیوں کہ وہ اس وقت امیر المومنین تھے اور ان کے قاضی نے بہت عمدہ فیصلہ کیا۔ ارے بھائی! وہ یہودی فیصلہ سن کر دنگ رہ گیا۔ اس بے لاگ فیصلے کا اثر یہودی پر ایسا پڑا کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ اس نے حضرت علیؓ سے کہا ''لیجیے یہ زرہ آپ ہی کی ہے، کیسا سچا ہے تمھارا دین کہ مسلمانوں کا قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔''

حضرت علیؓ اس کے مسلمان ہونے سے بہت خوش ہوئے اور پھر اس خوشی میں زرہ اسی کو دے دی۔

یہ تین فیصلے سنے آپ نے۔ ان قاضی کے ایسے فیصلے ہزاروں ہیں، وہ ساٹھ سال تک قاضی رہے۔ آپ سمجھے کہ قاضی شریحؒ ایسا اچھا فیصلہ کیوں کرتے تھے؟ بات یہ تھی کہ انھوں نے دین کا علم خوب اچھی طرح حاصل کیا تھا اور یاد رکھا تھا۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) سے قرآن، حدیث اور فقہ سیکھی تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اللہ نے ان کو سمجھ بھی بڑی اچھی دی تھی۔ ان کے استادوں میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے بڑے بڑے صحابہ تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

دوسری بات وہی تھی جو ہم نے اوپر لکھی یعنی قاضی شریحؒ اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ آخرت کے دن کے حساب و کتاب سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے۔ یہ آخرت کا ڈر ہی تھا کہ فیصلہ کرتے وقت نہ تو وہ اپنے خلیفہ سے دبے اور نہ بیٹے کی پروا کی۔ یہی تو وجہ تھی کہ ان کے فیصلے بے لاگ ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے بعد آج تک ان سے بڑا قاضی اور جج کوئی نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آج کل بھی ایسے ہی قاضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت قاضی شریحؒ کی طرح سچا بنائے اور ہمارے دل میں اللہ کے سوا نہ کسی کا ڈر ہو اور نہ کسی طرح کا لالچ۔

(٦)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگوں میں کچھ ایسے عالم اور امام ہوئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں پیدا نہ کرتا تو ہم یہی نہ سمجھ سکتے کہ کس طرح نماز پڑھیں، کس طرح وضو کریں، کس طرح ٹھیک ٹھیک روزہ رکھیں، کیسے حج کریں اور حرام حلال پہچان سکیں۔ ان بزرگوں میں بڑے امام یہ ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے تو غلام زادے یعنی ایک غلام کے بیٹے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ غلاموں کی کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ غلام بھیڑ بکری اور کھیرا ککڑی کی طرح بیچے اور خریدے

جاتے تھے۔ مالک جس طرح چاہتا انھیں رکھتا اور جو چاہتا کھلاتا اور پہناتا تھا۔ وہ اس طرح رکھے جاتے جیسے وہ جانور ہیں کہ ان سے دن رات کام لو اور پھر کھلا پلا دو بس۔ لیکن پھر اللہ نے اپنی مہربانی سے حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا اور آپؐ نے غلاموں کو ان کا حق دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ غلام بھی تمھاری طرح اللہ کے بندے اور انسان ہیں۔ ان سے بھائیوں اور بیٹوں کی طرح برتاؤ کرو۔ پیارے نبی ﷺ کے مطابق آپؐ کے پیارے ساتھی یعنی صحابہؓ نے پورا پورا عمل کیا اور غلاموں کو اپنے بیٹوں کی طرح رکھا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی غلاموں پر ترس کھایا اور جس طرح اپنے گھر والوں کو رکھا اسی طرح غلاموں کو بھی پالا پوسا، سکھایا پڑھایا۔ پھر تو غلاموں میں ایسے ایسے سمجھ دار اور نیک لوگ پیدا ہوئے کہ ان جیسا دوسرا پیدا نہ ہوا۔ یہ سب اللہ کی مہربانی تھی اور یہ سب اسلام کی تعلیم کی برکت تھی۔ غلاموں میں بڑے بڑے اچھے اچھے بادشاہ ہوئے۔ غلاموں میں بڑے بڑے بہادر سپاہی ہوئے۔ غلاموں میں بڑے بڑے عالم اور امام ہوئے ان غلاموں نے ایسے ایسے کام کیے کہ آج ہم ان کو اپنا بزرگ مانتے ہیں اور ہمیں ان کی بہ دولت عزت ملی ہوئی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے باپ حسن غلام تھے۔ دمشق کے پاس ایک گاؤں ''حرستا'' میں رہتے تھے اور بنو شیبان کی غلامی کرتے تھے۔ حسن سپاہی آدمی تھے۔ ایک لشکر کے ساتھ ایک بستی ''واسطہ'' کی طرف گئے۔ امام محمدؒ ''واسطہ'' ہی میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پیارے رسول ﷺ کے پیارے شاگردوں (صحابہؓ) کے شاگرد اور انھیں دیکھنے والے زندہ تھے اور ان میں بڑے بڑے امام موجود تھے۔ امام محمدؒ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آج کل ۱۴۲۷ھ ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام محمد کو پیدا ہوئے بارہ سو ستاسی برس سے زیادہ ہوئے۔

امام محمدؒ کے باپ حسن نے اپنی زندگی میں خوب دھن پیدا کیا۔ جب حسن اللہ کو پیارے ہوئے تو انھوں نے تیس ہزار کی رقم چھوڑی۔ یہ رقم امام محمدؒ کو ملی۔ امام صاحب کو قرآن اور حدیث کی تعلیم کا بڑا شوق تھا۔ اللہ نے سمجھ بھی بڑی اچھی دی تھی۔ انھوں نے یہ ساری رقم قرآن اور حدیث پڑھنے میں خرچ کر ڈالی۔ کسی بڑے عالم اور امام کا نام سنا بس اس کے پاس پہنچے، بڑی محنت کے ساتھ پڑھا۔ اس طرح انھوں نے بڑے بڑے اماموں سے پڑھا۔ ان کے استادوں میں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ خاص طور پر بہت مشہور ہیں۔

امام محمدؒ بہت خوب صورت آدمی تھے۔ مشہور ہے کہ جب ان کے باپ ان کو لے کر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس گئے اور ان کے مدرسے میں داخل کیا تو امام ابوحنیفہؒ ان کی خوب صورتی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر جب دیکھا کہ انھیں علم کا بڑا شوق ہے اور محنتی بھی ہیں اور سمجھ بھی اچھی ہے تو بڑی محنت سے پڑھایا۔ اللہ کی مہربانی سے امام محمدؒ بیس برس کی عمر ہی میں بڑے عالم ہو گئے اور خود دوسروں کو سبق دینے لگے۔

علم حاصل کرنے کے شوق میں امام محمدؒ امام مالکؒ کے پاس مدینہ بھی گئے۔ تین برس ان کے پاس رہے اور ان سے بھی وہ ساری حدیثیں سیکھیں جو امام مالکؒ نے جمع کی تھیں۔ امام مالک کے پاس جب پہلے پہل پہنچے تو ان سے ایک سوال کیا۔ پوچھا ''حضرت ایک بات بتائیے۔ ایک شخص ناپاک ہے، پانی مسجد میں ہے۔ ناپاکی میں مسجد میں نہیں جانا چاہیے اور نماز کا وقت بھی ہے اب وہ شخص کیا کرے، سامنے مسجد میں پانی ہے۔ پانی وہ کس طرح لے سکتا ہے؟''

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ''ناپاکی کی حالت میں وہ مسجد کے اندر نہیں جا سکتا۔'' امام محمدؒ نے کہا۔ ''جناب! یہ ٹھیک ہے مگر نماز کا وقت گزرا جا رہا ہے۔'' اس پر امام مالکؒ نے کہا۔ ''اچھا تم ہی بتاؤ کہ وہ شخص کیا کرے؟'' امام محمدؒ نے جواب دیا کہ اس آدمی کو چاہیے کہ مسجد کے باہر تیمّم کر لے، پھر مسجد میں جا کر پانی لے اور نہا کر نماز پڑھ لے۔'' یہ جواب سنا تو امام مالکؒ بہت خوش ہوئے۔ پھر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ ہیں تو اور بھی خوش ہوئے اور اپنے یہاں ٹھہرا لیا۔ امام محمد تین سال وہاں رہے اور اپنی سمجھ داری سے امام مالکؒ کو بہت خوش رکھا۔ امام مالکؒ نے جتنی حدیثیں جمع کی تھیں وہ سب امام محمدؒ کو سونپ دیں اور انھوں نے سات سو حدیثیں ان سے سیکھیں۔ پھر تو امام محمدؒ کے علم اور سمجھ داری کی چاروں طرف دھوم مچ گئی اور اس وقت کے سارے عالم مان گئے کہ آج کل امام محمدؒ سے بڑا دوسرا عالم نہیں ہے۔

امام صاحب کو اللہ نے جتنا بڑا عالم بنایا اور ان کو جتنا زیادہ علم دیا تھا، امام صاحب نے اس علم کو نبھایا بھی خوب۔ دوسروں کو خوب پڑھایا۔ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے امام ہوئے۔ امام شافعیؒ بھی ان کے شاگرد تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے بڑھ کر نہ تو کوئی عالم دیکھا، نہ ان جیسا سمجھ دار اور نہ ان سے اچھا بولنے والا۔ اللہ نے ان کو جیسا خوب صورت بنایا تھا ویسی ہی اچھی ان کی سیرت بھی تھی۔

امام محمدؒ کا نام سنا تو خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو اپنی حکومت کا سب سے بڑا قاضی بنا دیا۔ امام صاحب نے قاضی ہونا منظور کر لیا لیکن وہ ہارون الرشید کے یہاں نوکر کی طرح نہیں رہے بلکہ ہارون رشید جب آتا تو خود سلام کرتا۔ یہ کبھی اس کی تعظیم کے لیے نہیں اٹھے۔

ایک بار امام صاحب کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ اتنے میں خلیفہ ہارون رشید آ گیا۔ سب لوگ اس کی تعظیم کے لیے اٹھے لیکن امام محمدؒ بیٹھے رہے۔ خلیفہ نے پوچھا۔ ''آپ میری تعظیم کو کیوں نہیں اٹھے؟'' امام صاحب نے جواب دیا کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کی تعظیم کریں تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

یہ سن کر خلیفہ نے سر نیچا کر لیا اور کچھ اور باتیں پوچھیں۔ امام صاحب نے ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ خلیفہ نے خوش ہو کر ایک بھاری رقم بھیجی۔ امام صاحب نے یہ ساری رقم غریبوں میں بانٹ دی۔

امام صاحب کے شاگردوں میں جو غریب ہوتا اسے مال دیتے، جو قرض دار ہوتا اس کا قرضہ چکا دیتے۔ امام شافعیؒ سے اتنے خوش تھے کہ انھیں اتنی کتابیں دے دیں جن کو وہ ایک اونٹ پر لاد کر لے گئے۔

ایک بار امام شافعیؒ کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ ہوا یہ کہ کچھ لوگوں نے خلیفہ ہارون رشید سے بغاوت کی۔ اس کے خلاف لڑے۔ فوج نے ان پر دھاوا بول دیا اور بہت سے لوگوں کو پکڑ لیا۔ نہ جانے کیسے امام شافعیؒ بھی پکڑے گئے۔ ہارون رشید نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعیؒ کو چھڑا لیا اور کہا کہ یہ بے قصور ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کی مدد سے آج ہم کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، زکوٰۃ دینے، حج کرنے اور حرام حلال پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ نے ایسی کتابیں نو سو ننانوے یعنی ایک کم ایک ہزار لکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے بزرگوں میں امام محمدؒ جیسا بزرگ پیدا کیا اور انھیں ایسی سمجھ، ایسا علم اور ایسا موقع دیا کہ انھوں نے ہمارے لیے اچھی کتابیں لکھیں اور ہمارے لیے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکموں پر چلنا آسان ہو گیا۔

۱۸۹ھ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ کو پیارے ہو گئے، اس وقت ان کی عمر ستاون برس

کی تھی۔ جس نے سنا اس نے امام صاحب کا سوگ منایا اور ان کے لیے اللہ سے دعا کی۔ اللہ کی لاکھوں لاکھ رحمتیں ہوں امام محمدؒ پر اور اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان جیسے کام کر سکیں۔

(۷)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

بارہ سو برس ہوئے، کوفہ شہر میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا، اس کا نام ابراہیم تھا۔ بوڑھا ابراہیم محنت مزدوری کرتا تھا۔ بڑھاپے میں مزدوری کم ملتی۔ اس کی بیوی سوت کات کر کچھ کماتی۔ ان دونوں کی کمائی بھی اتنی نہ ہوتی کہ گھر والے پیٹ بھر کھانا کھا سکتے۔ بے چاروں کی حالت یہ تھی کہ اگر صبح کو مل گیا تو شام کو بھوکے ہیں اور شام کو مل گیا تو صبح کھانے کو نہیں۔

اس بوڑھے ابراہیم کا ایک لڑکا تھا۔ لڑکے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب دس برس کا ہوا تو باپ نے سوچا کہ اسے بھی کسی کام سے لگانا چاہیے۔ کچھ پیسے کمائے گا تو گھر کا کام چلے گا۔ یہ بات ابراہیم نے بیوی سے بھی کہی۔ بیوی نے بیٹے کو ساتھ لیا۔ ایک دھوبی کے گھر گئی اور اس کے گھر نوکر رکھا دیا۔ یعقوب نوکر ہو گیا مگر اس کا دل کام میں نہ لگتا تھا۔ اس کو علم کا بڑا شوق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دنیا والوں کو دی ہے، اسے جانے۔ وہ چاہتا تھا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو جان کر دوسروں کو بتائے۔ دنیا میں دین پھیلائے۔

یعقوب کرتا یہ کہ گھر سے کام کے بہانے نکلتا لیکن جا پہنچتا ایک درس گاہ میں۔ اس درس گاہ میں ایک بہت بڑے عالم صاحب پڑھایا کرتے تھے، ان کا نام تھا ابو حنیفہؒ۔ ابو حنیفہؒ اتنے بڑے عالم تھے کہ مسلمانوں نے ان کو اپنا امام مانا اور آج ہم ان کا نام بڑی عزت سے لیتے ہیں۔

اپنی دھن کا پکا یعقوب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سبق لیتا رہا، اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں سیکھتا رہا۔ اس طرح ایک مہینہ پورا ہوا۔ ایک مہینے کے ختم پر ماں باپ نے کہا کہ اس مہینے کی تنخواہ لائے۔ یعقوب تنخواہ کہاں سے لاتا، وہ تو دھوبی کے گھر گیا ہی نہیں۔ آخر بھید کھلا۔ ماں بہت ناراض ہوئی۔ لڑکے کو لے کر درس گاہ پہنچی۔ اس نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کہا:

''حضرت یہ میرا لڑکا ہے۔ میں سوت کات کر کماتی ہوں اور اسے پالتی ہوں۔ اسے میں نے کمائی کرنے کے لیے ایک دھوبی کے یہاں نوکر رکھا دیا تھا لیکن یہ آپ کے پاس چلا آتا ہے۔ اس کا باپ بوڑھا ہو چکا ہے اس سے کام نہیں ہوتا۔ آپ اسے سمجھائیے کہ کچھ کمائی کرے جس سے ہم سب کی روزی چلے۔ یہ پڑھ لکھ کر کیا کرے گا۔''

یہ سن کر حضرت ابو حنیفہؒ مسکرائے بولے ''اس لڑکے کو میرے پاس ہی چھوڑ جا تو اسے روکھی سوکھی روٹیاں کھلانا چاہتی ہے اور یہ پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ کھانا چاہتا ہے۔'' امام صاحب کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تو اسے چھوٹا آدمی رکھنا چاہتی ہے اور یہ بڑا آدمی بننا چاہتا ہے۔

بوڑھی عورت نے امام صاحب کی بات سنی تو بہت خفا ہوئی۔ بڑبڑاتی چلی گئی کہ بوڑھے کی بھی مت ماری گئی ہے۔ بڑھیا چلی گئی تو امام صاحب نے اس کے گھر کا پورا خرچ اپنے ذمّے لے لیا۔ امام صاحب کے کاروبار میں اللہ نے بڑی برکت دی تھی۔ امام صاحب کو کاروبار سے جو کچھ ملتا وہ سب دین کا علم سیکھنے والوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ آپ ایک بڑی رقم یعقوب کے والدین کو دینے لگے۔ میاں یعقوب بے کھٹکے ہو گئے۔ اطمینان اور محنت سے پڑھنے لگے۔ اللہ نے ان کو بڑی اچھی سمجھ دی تھی۔ ان کی یاد بھی بڑی اچھی تھی۔ ان کو جو سبق ملتا محنت کر کے یاد کر لیتے۔ سبق لیتے لیتے، محنت کرتے کرتے اور پڑھتے پڑھتے ایک دن ایسا آیا کہ میاں یعقوب خود بہت بڑے عالم ہو گئے۔ اتنے بڑے عالم کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ان پر بھروسا کرنے لگے۔ امام صاحب نے اپنے مرنے سے پہلے اپنی درس گاہ اور اپنی ساری کتابیں جن دو شاگردوں کو سونپیں ان میں سے ایک یہی میاں یعقوب تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعد میاں یعقوب کا نام پھیلا۔ اس وقت مسلمانوں کا خلیفہ ہارون رشید تھا۔ ہارون عالموں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں میاں یعقوب امام ابو یوسف کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہارون رشید کو امام صاحب کے علم کا حال معلوم ہوا تو اس نے آپ کو ملک کا چیف جسٹس (سب سے بڑا قاضی) بنا دیا۔ اب جہاں جہاں اسلامی حکومت تھی، وہاں یعنی عراق میں، خراسان میں شام میں اور مصر وغیرہ میں جو قاضی بنایا جاتا وہ امام ابو یوسفؒ کے حکم سے بنایا جاتا تھا۔

میاں یعقوب یعنی امام ابو یوسفؒ کا رتبہ اتنا بڑھا کہ ہارون رشید خود انھیں سلام کرتا تھا۔ اس کے دربار میں ان کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ امام صاحب خلیفہ ہارون رشید کی غلطی پر اسے ٹوک دیا کرتے تھے اور وہ اپنی غلطی مان لیتا تھا۔ خلیفہ جب کھانا کھاتا تو امام صاحب کو بھی ساتھ کھلاتا۔

ایک دن خلیفہ کے سامنے پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ آیا۔ خلیفہ نے یہ فالودہ امام صاحب کے آگے بڑھا دیا۔ فالودہ دیکھ کر امام ابو یوسفؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خلیفہ نے ان آنسوؤں کے آنے کی وجہ پوچھی تو کہا۔ ''برسوں پہلے میری ماں نے مجھ کو ایک دھوبی کے گھر نوکر رکھا دیا تھا...... اور یہ کہہ کر امام صاحب نے اپنے بچپن کی پوری کہانی خلیفہ کو سنائی پھر فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا تھا ٹھیک نکلا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پستہ کے تیل کا بنا ہوا فالودہ میرے سامنے رکھا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی آپ بیتی سن کر خلیفہ پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا'' خدا کی قسم! علم سے دونوں جہاں میں عزت ہے۔''

(۸)

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

ایک بادشاہ تھا، اس کا نام تھا منصور عباسی۔ منصور بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اسے اپنی بادشاہت پر بڑا غرور تھا۔ ایک بار منصور عباسی دربار میں بیٹھا تھا۔ بڑے بڑے وزیر اور امیر آس پاس بیٹھے تھے۔ ایک طرف کچھ عالم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ منصور بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک مکھی آ کر اس کے چہرے پر بیٹھ گئی۔ منصور نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو اڑا دیا۔ مکھی آ کر پھر اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ منصور نے پھر اڑا دیا۔ مکھی تو بڑی ضدن ہوتی ہے۔ وہ پھر آ کر اسی جگہ بیٹھ گئی۔ منصور نے پھر اڑا دیا۔ اب مکھی بار بار آ کر اسی جگہ بیٹھتی اور منصور بار بار

اُڑاتا۔ آخر منصور جھنجھلا گیا۔ اس نے چاہا کہ مکھی کو مار ڈالے مگر دربار میں سب کے سامنے مکھی مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک عالم صاحب سے پوچھا:

"بتایئے حضرت! اللہ نے مکھی کو کیوں پیدا کیا؟"

"گھمنڈی کا گھمنڈ مٹی میں ملانے کے لیے۔" عالم صاحب نے جواب دیا۔ یہ سچی اور کھری بات سن کر منصور چپ رہ گیا۔

آپ سمجھے! یہ عالم صاحب کون بزرگ تھے؟ یہ تھے ہمارے اور تمھارے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ پیارے نبی ﷺ کے پیارے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے، آپ کو لوگ صادق کے نام سے پکارتے تھے۔ صادق کے معنی ہیں سچا، بہت بڑا سچا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ سچ بولنے میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان کو صرف خدا کا ڈر تھا اور بس۔ آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ قرآن اور حدیث کا پورا علم آپ کو تھا۔ آپ نے قرآن و حدیث کا علم پیارے نبی ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) سے سیکھا تھا۔ پھر آپ خود دوسروں کو قرآن اور حدیث کا علم سکھانے لگے۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے مشہور لوگ ہوئے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ اور ایسے ہی اور بہت سے امام اور عالم آپ کے شاگرد تھے۔

اللہ کی رحمت ہو ان پر اور اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی بتائی ہوئی باتوں کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔ آمین

(۹)

حضرت عامر بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ عبد الملک بڑا مشہور خلیفہ گزرا ہے، یہ خود بھی عالم تھا۔ وہ اتنا بڑا عالم تھا کہ اگر وہ بادشاہ ہو کر حجاج جیسے ظالم کا سرپرست نہ بنتا تو اسے ہم اپنا بزرگ مانتے کیوں کہ وہ عالم ہونے

کے ساتھ ساتھ نہایت سمجھ دار بھی تھا۔اس کی سمجھ داری کے بارے میں ایک دل چسپ قصہ سنیے:

ایک بار خلیفہ عبدالملک نے ایک عالم صاحب کو روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ عالم صاحب روم کے بادشاہ کے دربار میں گئے۔ بادشاہ سے ملے۔اس سے باتیں کیں۔اس نے ان سے طرح طرح کے سوالات کیے۔ایسی ایسی باتیں پوچھیں کہ دوسرا جواب نہ دے سکتا تھا لیکن ان عالم صاحب نے بڑی اچھی طرح سارے سوالوں کے جواب دیے۔ بادشاہ عالم صاحب کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا، پوچھا ''کیا تم شاہی گھرانے سے ہو۔'' عالم صاحب نے بتایا ''نہیں'' میں تو جیسے اور مسلمان ہیں ویسا ہی ایک عام آدمی ہوں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے چپکے سے کچھ کہا جسے کوئی سن نہ سکا۔ پھر ایک خط لکھا۔ خط کو لفافے میں بند کیا۔لفافہ عالم صاحب کو دے کر بولا ''یہ اپنے بادشاہ کو دے دینا۔''

عالم صاحب نے واپس آ کر لفافہ عبدالملک کو دیا۔اس نے پڑھا، پوچھا ''کیا تم سے اور بادشاہ سے کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں؟'' عالم صاحب نے سارا حال بتایا۔اب عبدالملک نے امام صاحب کو خط دیا اور کہا کہ پڑھو۔ عالم صاحب نے خط لے کر پڑھا۔لکھا تھا۔ ''بڑے تعجب کی بات ہے کہ جس قوم میں ایسا آدمی ہو اور وہ قوم اسے چھوڑ کر کسی اور کو بادشاہ بنالے۔''

عالم صاحب نے یہ پڑھا تو دل میں کھٹکے کہ کہیں عبدالملک مجھے قتل نہ کر دے۔انھوں نے عبدالملک کو جواب دیا ــــــ ''اے خلیفہ! اگر روم کا بادشاہ آپ کو دیکھ لیتا تو اس طرح نہ لکھتا اور اگر میں نے یہ خط پڑھ لیا ہوتا تو آپ کو نہ دیتا۔''

خلیفہ عبدالملک نے کہا کہ ''دراصل اس نے مجھ کو اشارہ کیا ہے کہ میں تم کو قتل کر دوں تا کہ ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر میری رعایا تم کو چاہنے لگے اور پھر باغی ہو جائے اور تم کو بادشاہ بنالے ــــــ''

روم کے بادشاہ کے جو لوگ خلیفہ کے دربار میں تھے انھوں نے یہ بات چیت اپنے بادشاہ کو لکھ بھیجی۔اس نے کہا ''ہاں، میرا اشارہ یہی تھا۔''

اب سنیے ہم بتائیں یہ عالم صاحب کون بزرگ تھے۔ یہ تھے حضرت عامر بن شرحبیل

شعبی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ امام شعبی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ پیارے رسول ﷺ کے پیارے (صحابہؓ) کے پیارے شاگرد تھے۔ آپ نے پانچ سو صحابہؓ سے دین کا علم سیکھا، حدیثیں سنیں، دین کی ایک ایک بات سمجھی۔ علم حاصل کرنے دور دور گئے۔ جہاں سنا کہ فلاں جگہ کوئی صحابیؓ رہتے ہیں، بس وہیں پہنچے۔ اس وقت کے سب سے بڑے حدیث کے امام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس سال بھر رہے۔

یہ تو ہوئی ان کی محنت کے بارے میں بات۔ ان پر اللہ کی مہربانی یہ بھی تھی کہ اللہ نے ان کو سمجھ بڑی اچھی دی تھی۔ اللہ کے فضل سے ان کو بات کرنے کا ڈھنگ بہت ہی اچھا آتا تھا۔ وہ ہر بات ایسی سلجھی اور صاف کرتے تھے کہ سننے والا اچھی طرح سمجھ لیتا اور ان کی سمجھ داری اور قابلیت پر حیران رہ جاتا۔ اسی سمجھ داری کی وجہ سے اس وقت کا خلیفہ عبدالملک ان کو بہت مانتا تھا۔ حجاج بڑا ظالم حاکم مشہور ہوا ہے لیکن وہ بھی حضرت عامر بن شرحبیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی سمجھ داری کو مانتا تھا اور ان کی عزت کرتا تھا۔

عبدالملک کو جب کسی دوسرے بادشاہ سے کوئی معاملہ سلجھانا ہوتا تو وہ امام شعبیؒ کو بھیجا کرتا تھا اور آپ وہاں سے معاملہ ٹھیک کر کے واپس آتے تھے۔ یہی وہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی نصیحت سن کر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تعلیم کی طرف توجہ کی اور پھر فقہ کے بہت بڑے عالم ہوئے۔ اللہ کی رحمت ہو ان پر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی سمجھ بوجھ دے۔ آمین۔

(۱۰)

حضرت ربیعہؒ

"مدینہ شریف" میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان کا نام تھا ـــــ ابوعبدالرحمٰن فروخ۔ وہ ایک بہادر سپاہی تھے، ان کو جہاد کا بڑا شوق تھا۔ ایک بار جہاد کے لیے گئے تو پورے ستائیس برس بعد لوٹے۔ جاتے وقت اپنی بیوی کو تیس ہزار دینار دے گئے تھے۔ ان کے جانے کے دو تین مہینے بعد ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ـــــ ابوعبدالرحمٰن فروخ کی بیوی بڑی سمجھ دار تھیں۔ انھوں نے

بیٹے کو بڑی اچھی طرح پالا پوسا۔ وہ بیٹے کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھتیں۔ وقت پر اسے کھانا دیتیں، وقت پر سلاتیں اور بچپن ہی سے اس کو نماز کا شوق دلاتیں۔ بیٹا جب بولنے لگا تو اسے کلمہ پڑھنا سکھایا، نماز سکھائی اور اس کے پڑھنے کا انتظام کیا۔ بڑے اچھے اچھے استادوں کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجا۔ اس وقت ایسے لوگ بہت زیادہ تھے جنھوں نے پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) سے قرآن اور سنت کی باتیں سیکھی تھیں۔ اللہ کی مہربانی یہ تھی کہ بیٹا بھی بڑا سمجھ دار نکلا۔ وہ سدا ماں کا کہنا مانتا، شوق سے پڑھتا، یاد رکھتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے قرآن بھی پڑھ لیا، حدیثیں بھی پڑھ لیں اور یہ بھی جان لیا کہ پیارے نبی ﷺ ہر کام کس طرح کیا کرتے تھے۔ ستائیس برس کی عمر میں وہ اپنے زمانے کے سارے عالموں سے بڑے عالم ہو گئے۔ سب لوگ ان کی عزت کرنے لگے۔ بڑے بڑے امام ان کے شاگرد ہوئے اور تو اور حضرت امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی ان کے شاگرد تھے۔

اچھا، مدینے میں یہ نیک، سمجھ دار اور عالم فاضل جوان بڑے بڑوں کا استاد بنا۔ ادھر ستائیس برس کے بعد ابوعبد الرحمٰن فروخ جہاد سے لوٹے۔ گھر کے دروازے پر آئے اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے ــــــ دروازے پر آکر پکارا۔ اس وقت ان کا عالم فاضل جوان بیٹا گھر میں تھا۔ وہ باہر آیا۔ ابوعبد الرحمٰن فروخ بیٹے کو کیا پہچانتے۔ بیٹا تو ان کے جانے کے دو تین مہینے بعد پیدا ہوا تھا۔ پھر یہ کہ کبھی دیکھا نہیں۔ ایک جوان آدمی کو اپنے گھر سے نکلتے دیکھا تو فروخ صاحب بہت بگڑے۔ ہاتھ پکڑا اور بولے تو کون ہے جو میرے گھر میں مالک بنا بیٹھا تھا؟ یہ کہہ کر خود گھر میں جانے لگے تو اب بیٹے نے روکا کہ بڑے میاں! آپ کون ہیں جو میرے گھر میں دڑّاتے گھسے جا رہے ہیں۔

دیکھیے، اب آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔ بات ہے بھی مزیدار۔ بیٹا باپ کو گھر میں جانے سے روک رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بڑے میاں ذرا سمجھ سے کام لیجیے۔ کیوں پرائے گھر میں گھسے جاتے ہیں آپ اور باپ بیٹے سے کہہ رہا تھا ارے تو کون ہے جو میرے گھر پر قبضہ کیے ہوئے ہے... چل میں تجھ کو قاضی کے پاس لے چلوں گا اور تجھ پر مقدمہ چلاؤں گا۔ تجھے سزا دلاؤں گا اور جیل میں سڑا دوں گا۔

دونوں میں جھگڑا بڑھا تو آس پاس کے لوگ آ گئے۔ حضرت امام مالکؒ نے سنا تو وہ بھی دوڑے آئے اور بہت سے عالم فاضل جمع ہو گئے اور اپنے استاد کے طرف دار ہو گئے۔ حضرت امام مالکؒ نے فروخ صاحب سے کہا جناب! اگر آپ کو مکان کی ضرورت ہے تو کسی اور جگہ ٹھہر جایئے۔

کسی دوسرے کے گھر پر قبضہ کرنا ٹھیک نہیں۔" امام مالکؒ سے یہ سنا تو فروخ بولے "واہ صاحب واہ! یہ مکان تو میرا ہی ہے اور میرا نام ابوعبدالرحمٰن فروخ ہے۔"

ابوعبدالرحمٰن فروخ کی بیوی گھر میں تھیں۔ وہ اس جھگڑے سے پریشان ہو رہی تھیں۔ جب انھوں نے یہ سنا کہ آنے والے بزرگ نے اپنا نام ابوعبدالرحمٰن فروخ بتایا تو باہر آئیں۔ فروخ صاحب کو غور سے دیکھا پہچان لیا اور سب سے کہا "سچ مچ یہ ابوعبدالرحمٰن ہی ہیں۔" پھر بیٹے سے کہا:

"یہ تمھارے باپ ہیں۔"

اب کیا تھا۔ سب لوگ خوش ہو گئے۔ خوش خوش اپنے گھروں کو چلے گئے اب باپ نے بیٹے کو گلے لگایا۔ بیٹے نے بڑی عزت کے ساتھ گھر میں بٹھایا اور خاطر کرنے لگا۔ فروخ صاحب نے کھانا کھایا۔ بہت تھکے تھے، لیٹے اور سو گئے۔ جاگے تو بیوی سے باتیں کرتے کرتے پوچھا کہ "جہاد کو جاتے ہوئے میں تم کو تیس ہزار دینار دے گیا تھا، وہ ہیں یا خرچ کر ڈالے؟" بیوی نے کہا گھبراؤ نہیں، میں نے وہ رقم بڑے نفع کے کام میں لگا رکھی ہے۔" فروخ بولے۔ "کہاں؟" جواب دیا۔" دیکھو نماز کا وقت ہو گیا ہے، جاؤ نماز پڑھ آؤ، پھر بتاؤں گی۔"

فروخ صاحب نماز کے لیے مسجد میں گئے۔ نماز پڑھی اس کے بعد لوگ ایک طرف قاعدے اور ادب سے بیٹھ گئے ــــــ فروخ صاحب بھی ایک طرف بیٹھے۔ اب شروع ہوا قرآن اور حدیث کا درس۔ درس دینے والے وہی فروخ صاحب کے عالم فاضل جوان بیٹے تھے اور درس سننے والوں میں حضرت امام مالکؒ، حضرت حسن بن زیدؒ اور ابن ابی علیؒ اور ایسے ہی دوسرے بڑے بڑے لوگ تھے۔ فروخ ادب سے سر جھکائے بیٹھے درس سن رہے تھے اور تعجب

کر رہے تھے کہ اللہ نے ایک جوان کو ایسا علم عطا فرمایا کہ اس کے درس میں ایسے بزرگ شریک ہیں۔

درس میں کسی شاگرد نے سوال کر دیا تو سارے کے سارے لوگ فاضل استاد کی طرف دیکھنے لگے۔ فروخ صاحب بھی دیکھنے لگے۔ اب جو دیکھا تو پہچانا یہ تو میرا بیٹا ہے مگر پھر سوچا ''شاید پہچاننے میں بھول ہوگئی میرے بیٹے نے کیا پڑھا لکھا ہوگا؟'' فروخ اسی سوچ میں رہے پھر صبر نہ ہوا تو پوچھا ''یہ فاضل نوجوان کون ہے؟'' جواب ملا ''ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ۔''

''یعنی میرا ہی بیٹا ہے۔'' فروخ صاحب خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے۔ بولے یہ سب میرے اللہ کی مہربانی ہے۔ اس نے میرے بیٹے کو یہ بڑائی دی۔'' یہ کہہ کر گھر آئے تو بیوی سے کہا کہ میں نے تمھارے بیٹے کو اس شان سے دیکھا ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا۔''

اب بیوی نے کہا ''بتایئے، آپ کو کیا چیز پسند ہے؟ وہ تیس ہزار دینار یا یہ بڑائی؟ میں نے وہ ساری رقم بیٹے کی اسی پڑھائی میں خرچ کر ڈالی۔'' فروخ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ میرا بیٹا دین کا اتنا بڑا عالم ہوا اور تم نے وہ رقم بہت ٹھیک جگہ خرچ کی۔''

مزیدار قصہ پڑھا آپ نے۔ ہے نا مزے دار! قصے میں نام تو حضرت ربیعہؒ کا آ گیا، آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے آپ کے نامور بزرگ حضرت ربیعہؒ یہی ہیں۔ اب سنیے ان کا کچھ اور حال۔

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بڑا زبردست بادشاہ تھا۔ اس کا نام ابوالعبّاس سفّاح تھا۔ اس بادشاہ نے حضرت ربیعہؒ کے علم کا حال سنا تو کسی بہانے سے بلایا اور اپنے ملک کا سب سے بڑا قاضی (چیف جسٹس) بنانا چاہا لیکن حضرت ربیعہؒ سفّاح کی کچھ بری باتوں سے خفا تھے۔ سفّاح نے ان کو بڑا لالچ دیا۔ ہزاروں لاکھوں کی رقم پیش کی لیکن حضرت ربیعہؒ نہ مانے۔ اللہ نے ان کو بہت کچھ دے رکھا تھا ـــــ انھوں نے اپنی ساری رقم اپنے شاگردوں پر خرچ کر دی۔ وہ اپنے شاگردوں کو مٹھی بھر بھر کر دے دیتے، ان کی ساری ضرورتیں پوری کر دیتے۔ یہ سب اس لیے کرتے کہ شاگرد بڑے اطمینان سے دین کا علم حاصل کریں۔ حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ شاگردوں کو تو دیتے ہی تھے، ویسے بھی وہ بہت خیرات کرتے رہتے تھے۔ وہ اتنی زیادہ خیرات کرتے تھے کہ کبھی کبھی قرض دار ہو جاتے تھے۔

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ میں اور بہت سی اچھائیاں تھیں۔ ان اچھائیوں کی وجہ سے مسلمان ان کو اپنا بہت بڑا بزرگ مانتے ہیں اور بھئی سچی بات یہ ہے کہ قرآن میں بھی بڑا اور شریف ایسے ہی آدمی کو کہا گیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو یعنی اللہ کی نافرمانی کے ڈر سے بری باتوں سے بچتا ہو۔ حضرت ربیعہؒ ایسے ہی متقی تھے۔

اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

(۱۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ملک کے اتر پچھم میں ایک ملک ہے ''ایران۔'' ایران میں ایک صوبہ ہے ''خراسان'' ـــــ خراسان میں ایک جگہ ہے ''مرو۔'' مرو میں ایک خاندان تھا ''بنو حنظلہ'' ـــــ بنو حنظلہ کے پاس ایک باغ تھا۔ اس باغ کی رکھوالی ایک غلام کرتا تھا۔ غلام کا نام تھا مبارک۔

مبارک میاں تھے تو غلام لیکن وہ تھے بڑے اچھے آدمی۔ بڑے نمازی، بڑے پرہیزگار، بری باتوں سے بچنے والے۔ بڑے سچے اور ایمان دار۔ ان کی ایمان داری کے بارے میں ایک بات سنیئے، یاد رکھیے اور جب کبھی ایسی ہی بات آپ کے سامنے آئے تو ویسا ہی کیجیے جیسا کہ مبارک نے کیا۔

ہوا یہ کہ جس باغ کی رکھوالی مبارک صاحب کر رہے تھے اس کے مالک نے ان سے ایک کھٹّا انار مانگا۔ مبارک باغ میں گئے اور ایک انار توڑ لائے، وہ انار میٹھا نکلا۔ مالک کو بڑا غصّہ آیا۔ ڈانٹ کر بولا ''تم اتنے دنوں سے باغ کی رکھوالی کر رہے ہو اور تم کو کھٹّے میٹھے انار کی تمیز نہیں؟'' ـــــ یہ بولے:

''جی ہاں مجھے نہیں معلوم کہ کون سا انار میٹھا ہے اور کون سا کھٹّا؟'' اب مالک نے

پوچھا ''تو کیا تم نے اس باغ کا کوئی انار نہیں کھایا بولے ''نہیں کھایا۔'' پوچھا '' کیوں؟'' ـــــ جواب دیا کہ آپ نے تو مجھے باغ کی رکھوالی کے لیے رکھا تھا، انار کھانے کا حکم تو دیا نہیں، تو پھر میں کھاتا تو یہ چوری ہوتی، ایمان داری تو نہ ہوتی۔''

مالک نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گیا کہ غلام کیسا نیک، سچا اور ایمان دار ہے۔ وہ بہت خوش ہوا ـــــ واپس گھر چلا گیا اور اپنے گھر والوں سے مبارک میاں کی ایمان داری کی بات بتائی۔ گھر والے بھی خوش ہوئے۔ خوش اس لیے کہ اس خاندان کے لوگ بھی بڑے نیک اور ایمان دار تھے۔

اب سنیے، اسی باغ کے مالک کی ایک لڑکی تھی۔ یہ لڑکی بھی بہت اچھی تھی ـــــ یہ لڑکی شادی کے لائق ہو چکی تھی۔ اس کی شادی کے بارے میں مالک نے مبارک میاں سے رائے لی کہ کہاں اور کس سے کرنی چاہیے؟

مبارک میاں کو شادی کے بارے میں پیارے رسول ﷺ کی ایک پیاری بات (حدیث) یاد تھی۔ وہ پیاری بات جس میں پیارے نبی ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ شادی کرنے کے لیے نہ مال داری دیکھو، نہ اونچا خاندان، نہ خوب صورتی بلکہ یہ دیکھو کہ جس سے شادی کر رہے ہو وہ نیک اور اللہ سے ڈرنے والا اور دین دار ہے؟'' بس یہی بات مبارک صاحب نے مالک کو بتا دی۔

مالک اور اس کے خاندان والے دین دار لوگ تھے ان کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اور پسند کیوں نہ آتی پیارے رسول ﷺ کی نصیحت، ہر سچے مسلمان کو پسند آتی ہے ـــــ اچھا تو مالک کو ان کی بات پسند آ گئی تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری بیٹی کے لیے مبارک سے اچھا شوہر نہیں مل سکتا۔ بیوی نے بھی کہا کہ بے شک مبارک بڑا ایمان دار اور اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ وہ اللہ کے حکموں کے مطابق بیوی سے سلوک کرے گا اور اسی میں لڑکی کے لیے بڑی بھلائی ہے۔

اس بات چیت کے بعد مالک نے اپنی لڑکی کی شادی مبارک صاحب سے کر دی ـــــ مالک نے یہ نہیں دیکھا کہ مبارک میاں غلام ہیں، غریب ہیں، ان کا خاندان عزت والا نہیں ہے اور نہ وہ بہت زیادہ خوب صورت ہی ہیں۔ بس دیکھا تو یہ کہ مبارک میاں سچے مسلمان اور پکے ایمان دار ہیں؟''

اب دیکھیے میاں بھی نیک اور ایمان دار اور بیوی بھی پکی مسلمان اور اللہ سے ڈرنے والی۔ تو اللہ کی مہربانی یہ ہوئی کہ اس نے ان کو ایک بڑا اچھا بچہ عطا فرمایا یعنی ان کے گھر ایسا بچہ پیدا ہوا جو بڑا ہو کر اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوا اور اس نے اللہ کے دین (اسلام) کا نام اونچا کیا۔ اس بچے کا نام تھا عبداللہ۔ آج ہم یہی نام اس طرح لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (ان پر اللہ کی رحمت ہو)۔

حضرت عبداللہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آج کل ۱۳۹۹ھ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو مرے ہوئے بارہ سو ساٹھ برس سے زیادہ ہوئے۔ اس زمانے میں پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) کے شاگرد اور انھیں دیکھنے والے لوگ زندہ تھے۔ صحابہ کے شاگردوں کو تابعی کہا جاتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے امام گزرے ہیں یعنی قرآن اور حدیث کے بہت بڑے عالم اور جاننے والے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن اور حدیث کی باتیں جاننے کا بڑا شوق بھی تھا اور اللہ نے ان کو سمجھ بھی بہت اچھی دی تھی۔ ان کو ہر بات بہت جلد یاد ہو جایا کرتی تھی اور پھر وہ اسے بھولتے نہ تھے۔

ایک بار ایک عالم صاحب کی تقریر سننے گئے تو پوری تقریر یاد کر لی اور لوگوں کے پوچھنے پر پوری تقریر ٹھیک ٹھیک سنا دی، ایک لفظ بھی نہ بھولے۔ لوگ سن کر دنگ رہ گئے۔ یہ سب اللہ کی مہربانی ہے جسے چاہے عزت دے۔ حضرت عبداللہ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی تھی کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت بڑے عالم ہو گئے اور دور دور تک ان کا چرچا پھیل گیا۔ اب وہ جہاں جاتے لوگ ان کی عزت کرتے اور سر آنکھوں پر بٹھاتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے استاد بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے ایک استاد تھے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک خراسانی نے حضرتِ سفیانؒ سے قرآن و حدیث کی ایک بات پوچھی، فرمایا۔ ''تمھارے یہاں خراسان میں سب سے بڑا عالم موجود ہے اور مجھ سے پوچھنے آئے ہو۔'' اس خراسانی نے

پھر پوچھا، ''ہمارے ہاں خراسان میں وہ عالم صاحب کون ہیں، ان کا نام کیا ہے؟'' ـــــ فرمایا، عبداللہ بن مبارک۔'' آج کل ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔''

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت عبداللہؒ کے استاد تھے۔ وہ بھی ان کو بڑا عالم مانتے تھے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور سارے لوگ بھی عزت کیا کرتے تھے۔

لوگ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ بادشاہ کی بھی عزت نہیں کرتے تھے ـــــ ایک بار یہ ایک شہر (رقّہ) میں گئے۔ اس وقت وہاں بادشاہ ہارون رشید ٹھہرا ہوا تھا ـــــ بادشاہ اپنی بیگم کے ساتھ ایک محل کے کمرے میں بیٹھا اور باہر میدان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک دیکھا کہ لوگ ایک طرف بھاگے جا رہے ہیں اور اتنی بھیڑ ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ ہارون رشید کی بیگم نے پوچھا کہ اتنی بھیڑ کیوں ہے اور سب لوگ کہاں بھاگے جا رہے ہیں؟ جواب ملا کہ خراسان کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آ رہے ہیں۔ سب ان کو لینے شہر سے باہر جا رہے ہیں؟

بیگم نے یہ سنا تو بولی سچ پوچھو تو بادشاہ یہ ہیں۔ بھلا ہارون رشید بادشاہ کیا ہے، جو پولیس اور سپاہیوں کے بغیر لوگوں کو جمع نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اتنے بڑے عالم تھے لیکن انھوں نے اپنے علم سے روپیہ پیسہ نہیں بٹورا اور نہ اس کے بدلے کوئی رقم لی۔ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اس میں ان کو بڑا نفع ہوتا تھا لیکن وہ یہ رقم اپنے اوپر نہیں خرچ کرتے تھے۔ غریبوں، بے کس اور یتیم بچوں اور قرآن و حدیث کا علم سیکھنے والوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ علم سیکھنے والوں کو وہ بہت زیادہ دیتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ ادھر ادھر اپنی ضرورت پوری کرنے نہ جائیں اور جی لگا کر پڑھیں۔

قرض دار کا قرض ادا کرا دینے کا بڑا ثواب ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے مال دار مسلمانوں کو اس طرف دھیان دلایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ قرض داروں کا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے کہا کہ سات سو کا قرض دار ہوں۔ انھوں نے اسے سات ہزار دیدیے۔

ایک بار ان کے شاگرد پر بڑا قرض ہوگیا وہ بے چارا ادا نہ کرسکا تو اسے جیل بھجوا دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ کو معلوم ہوا تو دس ہزار بھیجے اور جھٹ وہاں سے چل دیے۔ شاگرد کو معلوم بھی نہ ہوسکا کہ اسے کس نے چھڑایا۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ نام کے لیے یہ نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی خوشی کے لیے کرتے تھے۔ اسی لیے چاہتے تھے کہ ان کی نیکی کوئی جان نہ سکے۔ مگر وہ چھپتی نہ تھی۔ ان کو جہاد کا بھی بڑا شوق تھا۔ ایک بار ایک جہاد میں شریک ہوئے۔ کافروں سے بڑی بہادری سے لڑے۔ دشمن کے تین بڑے بڑے بہادروں کو للکار کر قتل کیا، لیکن اس طرح کہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھے۔ دیکھنے والے حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے۔ آخر ایک آدمی نے بڑھ کر چادر کھینچ لی۔ چہرہ کھلا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم تھے، بہادر تھے، سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے لیکن ان میں گھمنڈ ذرا نہ تھا۔ اگر کوئی ان کی تعریف کرنے لگتا تو بہت برا مانتے تھے اور اسے چپ کر دیتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ نے ۶۳ برس کی عمر پائی۔ اتنی ہی عمر پیارے نبی ﷺ کی ہوئی۔ اس پر لوگوں نے بڑے پتے کی بات کہی۔ کہا کہ حضرت عبد اللہؒ پیارے رسول ﷺ کی ہر بات پر عمل کرتے تھے اللہ نے یہ کیا کہ عمر بھی اتنی ہی دی۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ تیرہ رمضان ۱۸۱ھ میں اللہ کو پیارے ہوگئے، جس نے سنا اس کو بڑا رنج اور دکھ ہوا۔

خلیفہ ہارون رشید کو معلوم ہوا تو اس پر بھی بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا ''افسوس! عالموں کے سردار کا انتقال ہوگیا۔'' حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں بڑے بڑے عالم اور امام ہوئے، جن میں سب سے زیادہ مشہور امام احمد ابن حنبلؒ، یحیٰ بن معینؒ، ابوبکر بن شیبہؒ، حبان بن موسیٰؒ اور عبد الرحمٰن بن مہدیؒ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جیسے کام کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱۲)

حضرت ربیع بن خثیم (رحمۃ اللہ علیہ)

پیارے رسول ﷺ کے پیارے صحابہؓ کے شاگردوں (تابعین) میں سے ایک بزرگ تھے ان کا نام تھا ''ربیع بن خثیم'' ـــــ ہم ان کا نام اس طرح لیتے ہیں، ''حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ ـــــ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ اتنے اچھے اور بزرگ انسان تھے کہ ان کے بارے میں پیارے صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر پیارے رسول ﷺ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تو ان سے محبت کرتے۔

اس بات سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کتنے اچھے انسان تھے۔ انھوں نے بڑی محنت سے قرآن پڑھا، حدیثیں یاد کیں پھر جو کچھ پڑھا اس پر عمل کیا۔ وہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی بات اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو جائے۔ وہ اللہ کی عبادت بڑے دھیان سے کرتے اور اللہ کے بندوں کی خدمت بھی جی لگا کر کرتے۔ اللہ کے بندوں کی خدمت والی ایک بڑی دل چسپ اور نصیحت والی بات ہم نیچے لکھتے ہیں۔ ذرا آپ بھی پڑھیے۔

''ایک بار حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نے کوئی خاص چیز پکائی پھر ان کے آگے لا کر رکھی کہ وہ بھی اس کا مزہ لیں۔ حضرت ربیعؒ نے لذیذ کھانا سامنے دیکھا تو کھانے کی بڑی تعریف کی۔ کئی بار الحمد للہ، الحمد للہ کہا پھر کھانا اٹھایا، پڑوس میں لے گئے۔ پڑوس میں ایک دیوانہ رہتا تھا اسے کھلا دیا پھر اس کا منھ ہاتھ دھلا کر لوٹ آئے۔ بیوی نے کہا ''واہ! یہ خوب رہی میں نے کھانا تمھارے لیے پکایا تھا، تم ایک پاگل آدمی کو کھلا آئے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس نے کیا کھایا۔'' حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ''خدا تو جانتا ہے۔''

واہ وا! کیسا اچھا کام کیا اور جواب کیسا اچھا دیا۔ مطلب یہ کہ خدا تو جانتا ہے۔ اسی سے تو ثواب لینا ہے۔ غور کیجیے اس میں ہمارے لیے کیسی اچھی نصیحت ہے۔ اگر ہم بھی خدا کو خوش کرنے کے لیے سب کام کیا کریں تو اللہ ہم سے خوش ہوگا اور اللہ کی خوشی ہی ہم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی چیز ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

(۱۳)

حضرت صفوان رحمۃ اللہ علیہ

پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) کے شاگردوں میں ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا نام تھا صفوان بن سلیم زہریؒ۔ ہم ان کا نام اس طرح لیتے ہیں، حضرت صفوان رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ مدینے کے رہنے والے تھے۔

حضرت صفوان رحمۃ اللہ علیہ اللہ سے بہت ہی ڈرنے والے تھے۔ ان کو نماز کا بڑا شوق تھا، وہ بڑے پرہیز گار بزرگ تھے۔ برائی کے پاس بھول کر بھی نہ جاتے۔ انھیں کسی طرح کا لالچ بھی نہ تھا۔ ان کے زمانے کے بڑے بڑے لوگ اور بادشاہ ان کو بہت کچھ دینا چاہتے تھے مگر وہ نہ لیتے اپنی غریبی ہی میں مگن رہتے۔ وہ اللہ کی عبادت ہی کو سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے۔ اس بارے میں ان کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ ایک مزیدار اور نصیحت والی بات سنیے:

ان کے زمانے میں سلیمان بن عبدالملک خلیفہ تھا۔ سلیمان کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی بڑے اللہ والے تھے اور اللہ والوں سے محبت اور میل جول رکھتے تھے۔ حضرت صفوانؒ سے بھی بڑا میل جول تھا۔

ایک بار خلیفہ سلیمان مدینے میں آیا۔ ظہر کا وقت آیا تو نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ساتھ تھے۔ مسجد میں ایک طرف صفوانؒ اللہ کی یاد میں لگے ہوئے تھے۔ خلیفہ سلیمان نے حضرت صفوان کو دیکھا تو دیر تک دیکھا کیا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا: "یہ کون بزرگ ہیں؟ دیکھنے میں تو اللہ والے معلوم ہوتے ہیں۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ "یہ ہیں صفوان بن سلیم زہریؒ ـــــ سچ مچ یہ بڑے اللہ والے بزرگ ہیں۔ انھوں نے دین کا علم پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) سے سیکھا ـــــ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ایسے ہی دوسرے صحابہؓ آپ کے استاد تھے اور ان کے شاگرد بھی بڑے بڑے عالم اور دین دار لوگ ہیں۔"

خلیفہ سلیمان حضرت صفوان کے بارے میں سن چکا تھا۔ اس نے اپنے غلام کو بلایا، پانچ سو دینار (اشرفیاں، سونے کے سکّے) کی تھیلی بھیجی کہ اپنے کام میں لائیں۔ غلام نے تھیلی لے جا کر حضرت صفوانؒ کے آگے رکھ دی اور کہا کہ خلیفہ نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ اور وہ یہیں موجود ہے۔

صفوان رحمۃ اللہ علیہ نے غلام کو دیکھا، بولے ''تم کو دھوکہ ہوا کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی۔'' غلام نے جواب دیا ''نہیں حضرت! آپ ہی کے لیے بھیجی ہے۔ آپ کا نام صفوان ہے نا؟'' کہا ''نام تو میرا صفوان ہی ہے اچھا جاؤ پھر پوچھ کر آؤ تو۔''

غلام پوچھنے کے لیے گیا۔ جیسے ہی کچھ دور گیا، حضرت صفوان (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنا جوتہ اٹھایا اور چپکے سے نکل گئے۔ پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا وہ مسجد میں نہ گئے۔ سلیمان دنگ رہ گیا۔ اللہ اللہ! کیسے کیسے اللہ والے لوگ ہمارے بزرگوں میں گزرے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی ایسا ہی بنائے۔ آمین۔

(۱۴)

حضرت ابو محمد یحیٰ اندلسیؒ

ہمارے ملک کے پچھّم میں ایک سمندر ہے۔ اس کا نام بحیرۂ عرب ہے۔ اگر سمندری جہاز میں سوار ہوں اور سمندر ہی سمندر جائیں تو آگے چل کر ایک اور سمندر میں پہنچیں گے اس کا نام بحرِ قلزم ہے (لال ساگر) بحرِ قلزم میں اتر کی طرف چلیں تو ہم ایک بندرگاہ پہنچیں گے۔ یہ بندرگاہ ''جدّہ'' ہے۔ ہمارے ملک سے جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں وہ ''جدّہ'' کی بندرگاہ پر اترتے ہیں اور پھر موٹروں سے مکہ اور مدینہ جاتے ہیں۔

جدّہ سے اور آگے چلیے تو دو تین دن کے بعد ایک تیسرے سمندر میں پہنچیں گے۔ اس سمندر کا نام بحرِ روم ہے۔ بحرِ روم میں پورب کی طرف مڑ کر آٹھ دس دن چلیے تو ایک ملک میں پہنچیں گے اس کا نام ہے ''اسپین'' اسپین کو اندلس بھی کہتے ہیں۔ ہمارے ملک سے اندلس لگ بھگ چار ہزار میل دور ہے۔ اندلس میں مسلمانوں نے سات سو برس حکومت کی ہے۔ اندلس میں

جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو وہاں بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے ان عالموں میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابومحمد یحییٰ اندلسیؒ ہیں۔

حضرت یحییٰ اندلسیؒ ایک غلام کے بیٹے تھے، لیکن وہ بہت بڑے عالم اور بڑے متقی بزرگ تھے۔ متقی اسے کہتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور اللہ ہی کے ڈر سے برے کاموں سے بچنے والا ہو۔

قرآن میں ہے کہ تم میں سب سے زیادہ شریف اور بزرگ وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان متقی آدمی کو سب سے بڑا بزرگ اور شریف سمجھتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ مسلمان یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی غلام ہے یا اچھوت خاندان سے ہے یا کسی اونچے خاندان کا ہے یا مال دار اور دباؤ والا آدمی ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے ڈر سے برے کاموں سے بچتا ہے یا نہیں یعنی متقی ہے کہ نہیں ہے۔ اگر متقی ہے تو پھر اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰؒ نے قرآن اور حدیث کا علم سیکھنے میں بڑی محنت کی۔ ان کے زمانے میں سفر کی یہ آسانیاں نہیں تھیں جو آج ہیں، نہ ریل تھی، نہ ہوائی جہاز۔ سمندری جہاز بھی ایسے مضبوط اور آرام والے نہ تھے جیسے آج کل ہوتے ہیں۔ اس وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ سمندروں میں طوفان آجانے سے جہاز ڈوب جایا کرتے تھے پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ مہینوں اور برسوں میں پہنچتے تھے۔ یہی اندلس سے جدّہ تک دیکھیے، آج کل جہاز آٹھ دس دن میں آجاتے ہیں لیکن حضرت یحییٰ کے زمانے میں مہینے لگ جاتے تھے اور اگر اندلس سے جدّہ خشکی کے راستے سے آئیں تو برس دن لگتے تھے۔ ایسے زمانے میں حضرت یحییٰؒ نے علم حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میل کا سفر کیا اور زیادہ تر پیدل۔

حضرت یحییٰ کے زمانے میں اچھے عالم اور دین کے بڑے بڑے امام مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ میں تھے۔ مدینہ میں امام مالکؒ مسجد نبویؐ کے اندر حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ علم کے شوق میں اندلس سے چلے۔ مہینوں سفر کر کے مکہ ہوتے ہوئے مدینے پہنچے اس وقت وہ سترہ اٹھارہ برس کے نوجوان تھے۔ کچھ دن مکہ میں ٹھہرے اور وہاں کے بڑے بڑے اماموں کے پاس رہ کر پڑھا پھر مدینے پہنچ کر امام مالکؒ کے شاگرد ہو گئے اور باقاعدہ ان سے حدیث کا درس لینے لگے۔

ایک دن امام مالکؒ شاگردوں کو درس دے رہے تھے کہ باہر سے شور ہوا ''ہاتھی آیا،

ہاتھی آیا۔'' وہاں ہاتھی نہیں ہوتا۔ لوگوں نے ہاتھی دیکھا نہ تھا، ہاتھی کا نام سنا تو دیکھنے دوڑ پڑے۔ امام مالکؒ کے پاس حضرت یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالکؒ نے ان سے کہا'' اندلس میں تو ہاتھی ہوتا نہیں پھر تم ہاتھی دیکھنے کیوں نہیں گئے؟''۔۔۔۔ یحییٰؒ بولے:

'' جناب! میں یہاں قرآن اور حدیث کا علم سیکھنے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔''

اس جواب سے امام مالکؒ بہت خوش ہوئے اور اس دن سے وہ ان کو عاقل (بڑا سمجھ دار) کہہ کر پکارنے لگے۔

جو آدمی اس طرح شوق سے پڑھے، محنت کرے اور اللہ نے اس کو سمجھ بھی اچھی دی ہو تو پھر سوچیے وہ کتنا بڑا عالم ہو سکتا ہے۔ اپنے شوق، محنت اور اللہ کی مہربانی سے حضرت یحییٰؒ تھوڑے ہی دنوں میں بہت بڑے عالم ہو گئے۔ علم سیکھ کر جب وہ اندلس پہنچے تو ان کے پہنچنے سے پہلے ان کے علم کی دھوم وہاں مچی ہوئی تھی۔ اندلس والوں نے ہاتھوں ہاتھ انھیں لیا اور ان سے پڑھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ حضرت یحییٰؒ نے اندلس میں قرآن اور حدیث کا علم خوب پھیلایا۔

اس وقت اندلس میں امیر عبدالرحمٰن بن الحکم ایک بڑا اچھا بادشاہ تھا۔ وہ عالموں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے بھی حضرت یحییٰؒ کا نام سنا تو بلا بھیجا اور چاہا کہ اپنے ملک کا سب سے بڑا قاضی (چیف جسٹس) انھیں بنا دے لیکن حضرت یحییٰ نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے قرآن اور حدیث کا علم نوکری کرنے اور پیسہ کمانے کے لیے نہیں سیکھا بلکہ اس لیے سیکھا ہے کہ اندلس میں زیادہ سے زیادہ علم پھیلاؤں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم بتاؤں۔

اس جواب سے امیر عبدالرحمٰن خفا نہیں ہوا بلکہ اس کی نظر میں ان کی عزت بڑھ گئی۔ دوسرے لوگ بھی اور زیادہ عزت کرنے لگے۔ پھر یہ کہ حضرت یحییٰؒ نے جو کچھ پڑھا تھا اس پر عمل بھی کرتے تھے یعنی قرآن اور حدیث میں جس کام کے کرنے کا حکم ہے اسے کرتے اور جس سے بچنے کا حکم ہے اس سے بچتے اور پیارے نبی ﷺ کی پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ عمل اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت یحییٰؒ کے پاس علم بھی تھا اور عمل بھی، ایسے عالم کا اسلام میں بڑا درجہ ہے۔ ایسا عالم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور چاہے بادشاہ ہی چاہے وہ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا۔ حضرت یحییٰؒ تو بادشاہ کو بڑی سختی سے ٹوکتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ امیر عبدالرحمٰن نے رمضان کے مہینے میں روزہ توڑ دیا۔ روزہ توڑنے

میں کفارہ دینا پڑتا ہے۔ کفارے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ توڑنے والا یا تو غلام آزاد کرے یا ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلائے یا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔

امیر عبدالرحمٰن کو روزہ توڑنے کا بڑا افسوس ہوا۔ اس نے عالموں کو اکٹھا کیا اور پوچھا کیا کرنا چاہیے کہ خدا اس غلطی کو معاف کر دے۔ سب سے پہلے اس نے حضرت یحییٰ سے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ: دو مہینے کے لگاتار روزے رکھیے۔ حضرت یحییٰؒ سے یہ سنا تو دوسرے عالم خاموش رہے لیکن جب وہاں سے اُٹھ کر باہر آئے تو دوسرے عالموں نے حضرت یحییٰؒ سے پوچھا کہ جناب! جب اس طرح روزہ توڑنے والا غلام آزاد کر سکتا ہے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفّارہ ادا کر سکتا ہے تو آپ نے امیر عبدالرحمٰن کو مشکل میں کیوں ڈالا۔ اس کے لیے تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔

حضرت یحییٰؒ نے جواب دیا اسی لیے تو میں نے کفارے کا یہ طریقہ بتایا تاکہ امیر پھر ایسی غلطی نہ کرے۔ غلام آزاد کرنا تو اسے بہت آسان ہے اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں۔ پیسے کے بل پر تو وہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کو یوں بھی کھلایا کرتا ہے۔ اگر میں امیر کو کفارے کا یہ آسان طریقہ بتاتا تو وہ اس طرح اکثر روزے توڑ دیتا اور آسان طریقے سے کفّارہ ادا کر دیتا۔ اب دو مہینے کے روزے رکھے گا تو پتہ چلے گا کہ برے کام کا پھل کیا ملتا ہے۔

عالموں نے یہ سنا تو مان گئے اور کہا کہ آپ نے سچ کہا اور مناسب کفّارہ بتایا۔

کیسے سمجھ دار اور اچھے تھے ہمارے بزرگ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی طاقت دے کہ ہم اپنے بزرگوں کے طریقوں پر چل سکیں اور اپنا ہر کام اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے کریں۔

(۱۵)

حضرت عبداللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ

ابوجعفر منصور ایک بڑا زبردست اور مشہور خلیفہ ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا جو اسے پسند نہ ہوتی تو بڑی کڑی سزا دیتا تھا لیکن ہمارے بزرگوں میں ایسے سچے اور پکے مسلمان ہوئے ہیں، جو بادشاہوں کے سامنے بھی کھری کھری باتیں کہنے سے نہیں

ڈرتے تھے۔ ہمارے ان بزرگوں میں ایک حضرت عبداللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ان کے والد حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدّث (حدیثیں بیان کرنے والے) گزرے ہیں۔ حضرت عبداللہؒ نے حدیثیں اپنے والد صاحب ہی سے سیکھیں اور یاد کیں۔

ایک بار خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنے وقت کے مشہور عالموں کو بلایا____ ایک حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ اس وقت نوجوان تھے۔ دونوں بزرگ خلیفہ کے پاس پہنچے۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے پھر خلیفہ منصور نے حضرت عبداللہؒ سے کہا ''آپ اپنے والد سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے۔''

حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں، لیکن انھوں نے ایسی حدیث سنائی کہ خلیفہ جھلا کر رہ گیا۔ آپ نے سنایا کہ ''مجھ سے میرے باپ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا اور اس بادشاہ نے ظلم کیا۔''

یہ حدیث سن کر خلیفہ منصور غصے کے مارے پہلو بدلنے لگا۔ حضرت امام مالکؒ کو کھٹکا پیدا ہوا کہ خلیفہ حضرت عبداللہؒ کو ضرور قتل کر دے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ سے کہا کہ ذرا قلم دوات اٹھا دیجیے۔ حضرت عبداللہؒ نے سنی ان سنی کر دی اور اسے قلم دوات اٹھا کر نہ دیا۔ اس نے پھر مانگا۔ انھوں نے پھر توجہ نہ کی۔ اس نے تیسری بار پھر مانگا پھر بھی یہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے تو خلیفہ بہت بگڑا پوچھا: ''تم نے مجھے قلم دوات کیوں نہیں دیا؟''

حضرت نے جواب دیا ''تم اس وقت غصے میں ہو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غصے کے مارے کوئی ایسا حکم لکھو کہ خدا تم کو قیامت کے دن پکڑے اور قلم دوات اُٹھا کر دینے کی وجہ سے مجھ سے بھی ناراض ہو کہ تو نے قلم دوات اٹھا کر کیوں دیا۔''

یہ سن کر خلیفہ نے حکم دیا کہ تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت بولے____ ''ہم تو یہی چاہتے بھی ہیں۔'' یہ کہہ کر اُٹھے اور اس کے سامنے سے چلے آئے۔

حضرت امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس دن میں نے جانا کہ طاؤس کا بیٹا کتنا سچا اور پکا مسلمان اور بزرگ انسان ہے۔

دیکھا آپ نے! ایسے تھے ہمارے بزرگ۔ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ کاش کہ ہم بھی ایسے ہی ہوں۔!

(۱۶)

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

قعقاع بن حکیم کہتے ہیں کہ ایک دن میں خلیفہ مہدی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں مہدی کے بلاوے پر حضرت سفیان ثوریؒ تشریف لائے اور جس طرح عام مسلمانوں کو سلام کیا جاتا ہے اس طرح مہدی کو سلام کیا۔۔۔۔ ''السلام علیکم'' کہا اور بیٹھ گئے۔

سلام کرتے وقت نہ جھکے، نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ بیٹھنے کی اجازت لی۔ یہ بات مہدی کے درباری قاعدے کے خلاف تھی۔ مہدی مسکرایا، بولا ''اے سفیان! آپ ہمارے ڈر سے ادھر ادھر بھاگتے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہیں تو ہم نہیں کر سکتے۔ اب بتاؤ اس وقت آپ ہمارے بس میں ہیں۔ اگر ہم چاہیں اور حکم دیں تو آپ کو ابھی ذلیل و رسوا کر دیا جائے۔

خلیفہ مہدی کے یہ کہنے پر حضرت سفیان ثوریؒ نے جواب دیا ''اگر تم میرے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرو گے تو بادشاہوں کا بادشاہ (اللہ) جس کے بس میں سب کچھ ہے اور جو حق و باطل کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیتا ہے، وہ بھی تمھارے ساتھ وہی فیصلہ کرے گا۔''

اس وقت ربیع مہدی کا لڑکا مہدی کے پیچھے تلوار کی ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ حضرت سفیانؒ کا جواب سن کر غصے سے بے تاب ہو گیا۔ خلیفہ سے کہنے لگا ''امیر المومنین! یہ جاہل آدمی آپ کے ساتھ گستاخی کر رہا ہے اجازت دیجیے اس کی گردن اُڑا دوں۔'' مہدی نے اس سے کہا۔۔۔۔ ''تم بدنصیب ہو، تم کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ کیا کیا خوبیاں رکھتے ہیں۔ اگر تم ان کو قتل کر دو گے تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ میں تو ان کی سچائی پر ان کو کوفہ کا قاضی (جج) بناتا ہوں اور ایسا جج کہ ان کے فیصلے کی اپیل نہ ہو سکے'' اور پھر مہدی نے حکم نامہ لکھ کر سفیان ثوری کو دیا اور کوفے کی طرف بھیج دیا۔

راستے میں ابوسفیان ثوری بھاگ نکلے۔ حکم نامہ دجلہ میں بہا دیا اور پھر حکومت کے سپاہیوں سے سدا کے لیے چھپتے پھرے۔ خلیفہ نے بہت تلاش کیا مگر انھیں نہ پاسکا یہاں تک کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت واقدی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگوں میں بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں، جن کے نام سے زیادہ ان کا لقب مشہور ہے۔ لقب اس نام کو کہتے ہیں جو کسی کام یا خاندان یا مقام کے لگاؤ سے مشہور ہو جاتا ہے۔ جیسے ہمارے ایک بہت بڑے بزرگ نے حدیثوں کی ایک بہت بڑی کتاب ''بخاری شریف'' لکھی۔ وہ بخارا کے رہنے والے تھے اس لیے ''امام بخاری'' مشہور ہو گئے۔ بخاری شریف لکھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ اسی طرح ایک اور بزرگ ہوئے ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ۔ خدا کی قدرت ایک بار وہ بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مچھلیوں کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔ عربی میں مچھلی کو ''نون'' کہتے ہیں۔ اس لیے یہ بزرگ ''ذوالنّون'' یعنی مچھلیوں والے مشہور ہو گئے اور مصری اس لیے کہ وہ مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔

اسی طرح دوسرے بہت سے بزرگ ہیں، جن کا نام بڑے بڑے عالم ہی جانتے ہیں، لیکن عام لوگ ان کو ان کے لقب ہی سے جانتے ہیں۔ ان سب نے دین کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں یعنی کی ہیں۔

اب امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنیے ان کے دادا کا نام تھا ''واقد'' بس اسی لگاؤ سے لوگ انھیں واقدی کہنے لگے۔ واقدیؒ مدینے میں پیارے رسول ﷺ کی ہجرت کے ایک سو تیس (۱۳۰) برس بعد پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم (پیارے ساتھیوں) کی اولادیں اور ان کے شاگرد اور جاننے والے لوگ موجود تھے۔

حضرت واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو پیارے رسول ﷺ کے حالات جاننے کا بڑا شوق تھا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی خدمت (کام) اپنے ذمے لی اور سچی بات یہ ہے کہ انھوں نے پیارے رسول ﷺ کے بہت سے حالات بڑی اچھی طرح لکھے ہیں، جن کو لوگ بڑے شوق سے

پڑھتے ہیں۔ حضرت واقدیؒ صحابہؓ کی اولادوں اور ان کے جاننے والے لوگوں کے پاس جاتے اور پوچھتے کہ پیارے رسولؐ پر کیا گزری پھر جو کچھ بتایا جاتا وہ سب لکھ لیتے۔ واقدیؒ کو ان جنگوں اور لڑائیوں کا حال سننے میں بڑا مزہ آتا، جو پیارے رسولؐ اور کافروں کے درمیان ہوئی تھیں۔ واقدیؒ نے یہ سارے حالات پوچھ کر اتنی کتابیں لکھ ڈالیں کہ ان کے گھر کتابوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ان ہی کتابوں سے واقدیؒ کا نام دور دور تک مشہور ہو گیا اور لوگ ان کی عزت کرنے لگے۔ لوگ ہی نہیں اس وقت کا بادشاہ مامون رشید، ان کا وزیر برامکی اور تمام بڑے بڑے لوگ بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ میں بہت سی اچھائیاں اور خوبیاں تھیں۔ وہ تقریر بہت عمدہ کرتے تھے۔ وہ جو سنتے اُسے یاد خوب رکھتے تھے۔ ایسی ہی اور بہت سی خوبیاں تھیں لیکن ان میں سخاوت اور فیاضی بہت ہی زیادہ تھی۔ فیاضی کے معنی ہیں روپیہ پیسے سے دوسروں کی خدمت کرنا۔ فیاضی کی وجہ سے وہ ہمیشہ خالی ہاتھ ہی رہتے تھے۔ ان کی فیاضی کا ایک بڑا مزیدار قصہ مشہور ہے، جس کو انھوں نے خود لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک بار عید آئی تو میرے گھر میں کچھ نہ تھا کہ عید میں بچوں کے لیے کپڑے ہی بنوا دیتا۔ بچوں نے پریشان کیا اور روئے چیخے تو میں سوچنے لگا، کیا کروں؟ ایک تدبیر سمجھ میں آئی۔ میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ میرا وہ دوست سوداگر تھا۔ میں نے اس سے سارا حال کہا، اس کے پاس ایک لاکھ دوسو کی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ سب مجھے دے دیں۔ میں تھیلیاں لے کر گھر آیا۔ لیکن ابھی میں نے تھیلیاں کھولی نہیں تھیں کہ میرا ایک ہاشمی دوست آ گیا۔ وہ اس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ قرض دار ہے آج قرض دینے کا وعدہ ہے اگر نہ دے گا تو نہ جانے کیا بے عزتی ہو۔ میں نے اس کو پریشان دیکھا تو بیوی سے کہا، لاؤ آدھی رقم ہاشمی کو دیدیں اور آدھی سے اپنا کام چلائیں۔ میری بیوی نے کہا ''واہ! یہ خوب رہی، تمھارا دوست سوداگر زیادہ پڑھا لکھا نہیں اور اس نے تم کو اتنی بڑی رقم دیدی اور تم اتنے بڑے عالم اور اپنے دوست ہاشمی کو آدھے پر ٹالنا چاہتے ہو۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' بیوی کے کہنے پر میں نے وہ سب تھیلیاں ہاشمی دوست کو دیدیں۔

اب ایک اور مزے دار بات ہوئی ـــــ جس سوداگر سے میں تھیلیاں لایا تھا اس کے پاس بس وہی کل جائداد تھی۔ اب اسے ایک بڑی ضرورت پیش آگئی تو وہ رقم کی تلاش میں نکلا۔ وہ ہاشمی سوداگر کا دوست تھا۔ سوداگر ہاشمی کے گھر پہنچا اور اس سے سارا حال کہا ـــــ ہاشمی نے وہ سب تھیلیاں اسے دیدیں۔ اب سوداگر نے وہ تھیلیاں پہچانیں تو وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ وہ دوڑا ہوا میرے پاس آیا۔ تھیلیاں دکھائیں اور اپنا حال کہا اور میرا حال سنا۔

اب رائے ہوئی ـــــ کہ چوں کہ ہم تینوں کو ضرورت ہے آؤ برابر بانٹ لیں۔ ہم تینوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ خبر خلیفہ مامون رشید کے وزیر یحیٰی برامکی کو ہوئی۔ اس نے مجھے بلوایا، حال پوچھا، اور ہم تینوں سے بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھے دس ہزار دینار (سونے کے سکّے) دیے اور کہا کہ دو ہزار اپنے دوست سوداگر کو دینا اور دو ہزار ہاشمی کو، دو ہزار خود لینا اور چار ہزار اپنی بیوی کو دینا کیوں کہ تمھاری بیوی تم سے بھی زیادہ فیاض نکلی۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم تھے کہ چھوٹے بڑے سب ان کو مانتے تھے۔ خلیفہ مامون نے ان کو بغداد کا قاضی بھی بنا دیا تھا۔ اگر چاہتے تو خوب نام پیدا کرتے لیکن واقدیؒ نے خود کما کر گھر کا کام چلایا۔ وہ گیہوں کی تجارت کرتے تھے لیکن پیسہ ہاتھ میں رکتا نہ تھا اس لیے ساجھا کر کے گھر کا کام چلاتے تھے اور جو حصہ بانٹ میں ملتا اس سے اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالتے تھے۔ انھوں نے پیسہ جوڑ جوڑ کر نہیں رکھا، جو ہاتھ میں آیا خیرات کر دیا۔ جب اللہ کو پیارے ہوئے تو گھر میں کفن بھی نہ نکلا۔ خلیفہ مامون رشید کو خبر ہوئی تو اس نے کفن دفن کے لیے رقم بھیجی۔

ایسے تھے فیاض ہمارے بزرگ اور اللہ والے لوگ۔ کاش کہ ہم بھی ایسے ہی ہوتے اور ان ہی کی طرح ہم بھی دوسروں کی خدمت کرتے۔